ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

AUGUST - 1987

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

جلد نمبر ۲ —————— شمارہ نمبر ۸

اگست ۱۹۸۷ء

• مدیر منتظم —————— نور محمد فلاحی

• مدیر —————— طارق فارقلیط فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زر تعاون	۳۰ روپے
خصوصی تعاون	۱۰۰ روپے
غیر ممالک سے	۱۵ امریکی ڈالر
فی شمارہ	۳ روپے

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

افضل نفیسی پریس بڑے جمال پریس دہلی —————— کاتب: رفیع محمد شاہ پوری

نقوش حیات نو

اداریہ ——	
حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے چند پہلو	ایڈیٹر
بحث و نظر ——	
غزوۂ بدر پر ایک سرسری نظر	مولانا ذوالکفل اصلاحی
مقالات ——	
الاخوان المسلمون	عبدالبدیع صقر
شخصیت ——	
سید جمال الدین افغانی	محمد اقبال سنجری
عظمت کے پیکر ——	
حضرت براء بن مالک انصاریؓ	ابو جابر۔ راشد زہرا جامعہ
ولادت کی الجھن ——	
روس کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی لہر	رفیق افغانی۔ نجیر کراچی
ملاقات ——	
امیر جماعت اسلامی کے ساتھ چند لمحے	آل محمد
وفیات ——	
صبح غم	مولانا ابوبکر اصلاحی۔ سید مشفق وقار
تراجم و اقتباسات ——	
دینی تصنیف	سید اسعد گیلانی
شعر و نغمہ ——	
عید کا پیغام تحریک حیات کے نام	قمر رسول پوری
غزلیں	ساحل بہارتی۔ خلیق ظفر
تعارف و تبصرہ ——	
خاتون اسلام مرکز۔ گوشۂ بابر القادری	ادارہ
جامعہ کے لیل و نہار ——	
جمعیۃ طلبہ کی سرگرمیاں	ادارہ

اداریہ ——

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کے چند پہلو

حج کا مہینہ جیسے جیسے قریب آتا ہے حضرت ابراہیمؑ کی یاد بھی دل کے نہاں خانوں سے ابھرنے لگتی ہے اور جب حج کے ایام شروع ہو جاتے ہیں تو یہ یاد بھی دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے محبوب و صالح بندے اور پیارے نبی تھے۔ قرآن نے آپؑ کی زندگی پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور بار بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ان کی اتباع اور ان کے طریقے کی پیروی کے لئے کہا ہے۔ سورہ بقرہ میں آیت ۱۲۴ سے ۱۳۶ تک حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ ہے۔ آیت ۲۵۸ سے ۲۶۰ تک نمرود سے مباحثہ اور موت و زیست اور حشر و نشر کے مسئلے میں حضرت ابراہیمؑ کے تجسس کا جواب ہے۔ آل عمران آیت ۶۷-۶۸ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے نسبت کا حق کسے ہے، یہود و نصاریٰ کو یا مومنین صادقین کو۔ آیت ۹۵-۹۶ اور ۹۷ میں خانہ کعبہ کی تعمیر اور اس میں مقام ابراہیم نیز اس کے پرامن ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے تم کو یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہئے اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ سورہ انعام آیت ۷۴ سے ۸۰ تک آذر کو دعوت الی اللہ اور بتوں کی تردید ہے، نیز حضرت ابراہیمؑ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ستارے، چاند، سورج جن کی ان کی قوم پرستش کرتی تھی، خدا نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ اپنے وجود و بقا کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ پھر انھوں نے معبودان باطل سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور ہر طرف سے یکسو ہو کر خدا کے ہو گئے۔ آیت ۱۶۱ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بات کہلوائی گئی اے نبی! کہو میرے رب نے یقیناً مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا

کوئی شریک نہیں۔ اس کو مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سرِ اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔ سورہ ہود آیت ۶۹ تا ۷۶ میں فرشتے حضرت اسحاق کی بشارت اور حضرت لوط کی قوم پر عذاب کی خبر لے کر آئے اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے جھگڑا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابراہیم بڑا حلیم، نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا۔" سورہ ابراہیم آیت ۳۵ تا ۴۱، حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ذکر ہے جو انھوں نے اپنی اولاد کو وادی غیر ذی زرع میں بساتے وقت کی تھی۔ اس کے علاوہ سورہ نحل ۱۲۰، ۱۲۳۔ سورہ مریم ۴۱، ۵۰۔ سورہ انبیاء ۵۱ تا ۷۰۔ سورہ حج ۲۶ تا ۳۵۔ سورہ شعراء ۶۹، ۸۸۔ سورہ عنکبوت ۱۶، ۳۰ سورہ احزاب آیت ۷۔ سورہ صفت ۸۳ تا ۱۱۳، ترتیبی و واقعہ شوریٰ آیت ۱۳۔ النجم ۳۷، ۳۸ الممتحنہ ۴، ۵، ۶۔ سورہ اعلیٰ ۱۹ وغیرہ میں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اور دعوت کے مختلف گوشے واضح کیے گئے ہیں۔ ہم یہاں ان کی زندگی کے صرف چند گوشے نمایاں کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو اپنے وقت کا سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ دولت مند خاندان تھا۔ [illegible] حضرت ابراہیمؑ اُر شہر میں پیدا ہوئے۔ اس میں [illegible] "اُر" کے کتبات میں تقریباً ۵ ہزار خداؤں کے نام ملتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے۔ ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جو رب البلد، صدر دیوتا یا رئیس الالٰہ کہا جاتا تھا۔ [illegible] اُر کا رب البلد "نناّر" (چاند دیوتا) تھا۔ دوسرا بڑا شہر [illegible] تھا اس کا رب البلد "شماش" (سورج دیوتا) تھا۔ ان بڑے خداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے [illegible] اور کم تر درجے کے خدا [illegible] تھے۔

"نناّر" [illegible] دیوداسیوں کی سی تھی، وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو "راہِ خدا" میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کے لئے ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا تھا۔ اب یہ بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے کہ اس مذہبی فحش کاری سے مستفید ہونے والے زیادہ تر پجاری حضرات ہی ہوتے تھے

نناّر محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمیندار، سب سے بڑا تاجر، سب سے بڑا کارخانہ دار اور ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔ بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس مندر کے لئے وقف تھیں۔ اس جائداد کی آمدنی کے علاوہ کسان، زمیندار، تاجر سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لئے مندر میں ایک بہت بڑا اسٹاف موجود تھا۔ ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی۔ پجاری اس کے جج تھے اور ان کے فیصلے "خدا" کے فیصلے سمجھے جاتے تھے۔ خود شاہی خاندان کی حاکمیت بھی نناّر ہی سے ماخوذ تھی۔ اصل بادشاہ نناّر تھا اور فرمانروائے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا۔
(تفہیم القرآن۔ جلد اول۔ صفحہ ۵۵۵)

حضرت ابراہیمؑ کا باپ نمرود کے یہاں سلطنت کے سب سے بڑے عہدیدار (CHIEF OFFICER OF THE STATE) کا منصب رکھتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب کھلم کھلا شرک کی مخالفت اور توحید کی تبلیغ شروع کی اور بت خانے میں گھس کر بتوں کو توڑ ڈالا تو ان کے باپ نے خود ان کا مقدمہ بادشاہ کے دربار میں پیش کیا۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۱۹۵)

ان حالات میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور پلے بڑھے۔ ایک پرتعیش، شان و شوکت اور جاہ و حشمت سے بھرپور زندگی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اسی ماحول میں اپنے باپ کی طرح ایک شاندار زندگی گزار سکتے تھے مگر ان کی فطرت صالح اور عقل سلیم نے ان کی رہنمائی کی اور کہا کہ ابراہیم! یہ اینٹ، پتھر، درخت اور پودے، انسان، سورج، چاند کیا ان پرستش کے لائق ہو سکتے ہیں؟ یہ تو خود بے بس اور اپنے وجود کے لئے دوسروں کے محتاج ہیں۔ خدا تو کوئی اور ہی ہستی ہے۔ اور پھر ابراہیمؑ اس خدا کی جستجو میں پڑ گئے۔ ٹھیک اسی وقت قدرت نے ان کی رہنمائی کی۔ مراد و ذوق کے پردے درمیان سے ہٹ گئے۔ ابراہیمؑ کا دل نورِ نبوت سے منور ہو گیا اور ابراہیمؑ نے اعلان کر دیا: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ میں نے ہر طرف سے بچ کر رخ موڑ کر اس ذات کی طرف کر لیا جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

شرک اور بت پرستی کے ماحول میں پرورش کے باوجود حضرت ابراہیمؑ نے جس زور دار طریقے سے شرک اور شرک کرنے والوں سے برأت کا اعلان کیا اور اس کو جس انداز میں نبھایا قرآن اس پر شاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی متعدد سورتوں میں اس بات کا اعتراف اور اعلان کیا ہے کہ ابراہیمؑ مسلم حنیف تھے، مشرک نہ تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا یہ بہت ہی روشن اور تابناک پہلو ہے۔

حق کی خاطر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے گھربار، عزیز و اقارب، مال و دولت حتیٰ کہ والدین سے بھی قطع تعلق کر لیا اور دنیوی لحاظ سے اپنا تابناک مستقبل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ تمام جدوجہد کی صعوبتیں برداشت کیں اور آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں کود گئے مگر خدا سے کئے ہوئے وعدے پر آنچ نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا اعتراف اس طرح کیا: "أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ○ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ○ کیا اسے ان باتوں کی کوئی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں اور اس ابراہیمؑ کے صحیفوں میں بیان ہوئی ہے جس نے وفا کا حق ادا کر دیا۔" (النجم ۳۶-۳۷)

حضرت ابراہیمؑ کی پوری زندگی یوں تو قربانیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن ان کی زندگی میں ایک ایسا تابناک اور روشن واقعہ بھی ملتا ہے جو اور کہیں نہیں پایا جاتا، وہ ہے باپ کا بیٹے کے گلے پر چھری چلانا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے بڑھاپے کے سہارے کو جس شوق، وارفتگی اور وارفتگی کے عالم میں قربان گاہ لے گئے، اس کو لٹایا، آنکھوں پر پٹی باندھی اور گلے پر چھری چلا دی اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی بلیغ انداز میں کیا ہے: "فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ○ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ○ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ○" جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی، اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔ (صٰفّٰت ۔ ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷)

ہم درحقیقت ملتِ ابراہیمی ہی کے ایک فرد ہیں۔ ہماری ملت ملتِ ابراہیمی ہے اور ہمارا دین ابراہیمؑ کا دین ہے۔ ابراہیمؑ ہمارے لئے ہر قدم پر نمونہ و مشعل راہ ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ فرمایا کہ: "قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ" تمہارے لئے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔ (ممتحنہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی اتباع کی ہدایت کی گئی ہے: "واقعہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا، اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اس کو منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی

اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔" (سورہ نحل آیت ۱۲۰-۱۲۳) "ہم نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمدؐ) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔" (شوریٰ آیت ۱۳) ہمیں چاہئے کہ ابراہیمؑ کی زندگی کا مطالعہ کریں اور اسے اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے ہم کو ایک اور اہم بات معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ آیت ۱۲۴ میں کیا گیا ہے: "وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○" یاد کرو جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب میں پورا اتر گیا تو اس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اس نے جواب دیا میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔"

آدمی کو اونچا مقام اسی وقت ملتا ہے جب وہ آزمائشوں کو جھیل جائے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقے سے آزمایا اور جب وہ آزمائشوں میں پورے اتر گئے تو ان کو دنیا کا امام، پیشوا اور رہنما بنا دیا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل اور مشرکین مکہ آزمائشوں میں ناکام ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ذلیل اور رسوا کر دیا۔ انسان کیلئے خیر و شر کی تمیز اور نیکی و بدی کو اختیار کرنے کی قدرت خدا کی طرف سے ایک آزمائش ہے اور اسی میں کامیابی اور ناکامی پر اس کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ہمیں اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا سلسلہ خدا کے اسی اصول کے پیش نظر دیکھنا چاہئے۔ اگر ہمارا رویہ خدا کے احکامات سے بغاوت اور سرکشی کا ہے تو اس کا انجام یقیناً ذلت و رسوائی ہوتی ہے کیونکہ ہم ظالم ہیں اور ظالموں کا انجام اس سے مختلف نہیں ہونا چاہئے خواہ ظلم اپنے اوپر کیا جائے یا دوسروں پر، اور اگر ہمارا رویہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا ہے تو یقیناً ہم انعام و اکرام کے مستحق ہیں اور یہ انعام و اکرام ہم کو ملنا چاہئے لیکن اگر ہم پہلی صورت حال سے دوچار ہیں تو ہمیں اپنے رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور اپنی محرومی کا سبب اندر ہے تو اس حالت سے جلد از جلد نکلنا چاہئے، تبھی ہم دوبارہ اس منصب کے اہل بن سکتے ہیں، کاش ہمیں اس کی توفیق مل جائے۔

مولانا داؤد اکبر اصلاحی

غزوۂ بدر پر ایک بار اور نظر

"مولانا داؤد اکبر اصلاحی ان علماء میں سے تھے جنھوں نے اپنے غور و فکر کے لئے قرآن کو خاص کیا، اور آخر تک اس کے طالب علم رہے۔ مولانا قرآن پر گہری نظر رکھتے تھے۔ جامعہ نے بھی ان کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن موت نے کچھ زیادہ استفادہ کا موقع نہ دیا۔ غزوۂ بدر سے متعلق ان کی تحریر ان کے نواسے جناب محمد عارف عمری صاحب نے ان کے متروکہ کاغذات سے تلاش کی ہے۔ قرآن پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے یہ ایک اہم بات ہے افسوس کہ مولانا کچھ مفصل نہ تحریر کر سکے۔ خدا ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔" (ادارہ)

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "سیرۃ النبیؐ" جلد اول میں "غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر" کے عنوان سے مورخین اور مصنفین سیرت کی اس رائے کی پرزور تردید فرمائی ہے کہ

"مسلمان مدینہ سے اول اول کاروانِ تجارت (جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس ہو رہا تھا) لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔ بعد میں جنگی صورت پیدا ہو گئی۔"

حضرت علامہ نے مورخین کی مذکورہ بالا رائے اور اس کے دلائل نقل کر کے مختلف پہلوؤں سے اس کی کمزوریاں دکھلائی ہیں۔

مصنفین کی اس درجہ شہرت تک پہنچی ہوئی رائے کی تردید کے بعد علامہ موصوف نے ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کا مدینہ سے نکلنا شوکت والے لشکر سے دفاع کے لئے ہوا تھا جس کے مکہ سے خروج کا علم پیغمبر علیہ السلام کو مدینہ ہی میں ہو گیا تھا اور مومنین کو بھی آپ نے اس سے باخبر فرمایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ لوگوں کو مدینہ سے نکلنا بھاری معلوم ہو رہا تھا اور وہ موت کے منہ میں جانا تصور کر رہے تھے۔

علامہ موصوف نے بہت ساری دلیلیں اپنے اس دعویٰ پر قائم کی ہیں جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں اور سب سے بڑی دلیل ان کی سورۂ انفال کی وہ آیت ہے جن میں اس غزوہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ سورۂ مذکورہ میں اس غزوہ کی جو تفصیلات جس صورت سے بیان ہوئی ہیں۔ ان میں غور کرنے سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ شوکت والے لشکر سے جنگ کرنے کے لئے مسلمانوں کا مدینہ سے نکلنا ہوا تھا۔

البتہ ایک سوال آیت

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ۔

یاد کرو وہ وقت جب اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ تم کو ملے گا اور تم چاہ رہے تھے غیر مسلح گروہ (قافلہ) تم کو ملے۔

کے تحت یہ پیدا ہوتا ہے کہ قافلۂ تجارت اور لشکر میں سے غیر متعین طور سے کسی ایک کے، تم کو ملنے کا وعدۂ الٰہی مسلمانوں سے تھا یا متعین طور سے کسی ایک کے لئے تھا؟

اس امر پر تو جمہور فریق کا اتفاق ہے کہ وعدۂ خداوندی بلا تعیین ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ لگنے کا تھا۔ البتہ اختلاف اس بات پر ہے کہ یہ وعدہ کس جگہ کیا گیا؟ مدینہ ہی میں یا مدینہ سے روانگی کے بعد۔ جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ لشکر و عیر کا تھا وہ جائے وعدہ مدینہ منورہ کو قرار دیتے ہیں اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ مسلمان ابتداءً قافلہ لوٹنے کے لئے نکلے تھے اور جنگ کی صورت پیدا ہو گئی وہ جائے وعدہ مدینہ منورہ سے باہر دو چار منزل طے کرنے کے بعد کسی دوسرے مقام کو ٹھہراتے ہیں۔

بظاہر آیت "وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ" الخ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وعدۂ الٰہی دونوں گروہوں میں سے بلا تعیین کسی ایک کے لئے تھا۔

لیکن ہمارے خیال میں وعدۂ خداوندی متعین طور سے لشکر کے ہاتھ لگنے کا تھا اور سب وعدہ وہی ہاتھ لگا۔

دونوں گروہوں میں سے متعین طور سے شوکت والے گروہ کے ہاتھ لگنے کا وعدہ نہ ہوتا تو لوگوں کو ان کے قافلۂ تجارت کے لوٹنے کی خواہش پر ان لفظوں میں ملامت نہ کی جاتی "وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ" الخ۔

اور آیت "اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ" میں احدیٰ، "اَحَدٌ" کا مونث ہے اور لفظ اَحَدٌ اور احدیٰ دونوں جہاں ایک کی گنتی کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہیں وہ معنی حصر کے طور پر بے نظیر اور یکتا کے مفہوم میں بھی آتے ہیں۔

آیت وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ الخ میں یہ لفظ بطور وصف نمایاں کے مفہوم میں ہے اور نحوی ترکیب کے اعتبار سے صفت ہے اور اس کی اضافت موصوف کی جانب ہے۔ معنی یہ ہوں گے "یاد کرو جب کہ دونوں گروہوں میں سے نمایاں گروہ کے دینے کا وعدہ الٰہی ہو رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گا اور وہ لشکر تھا اور حسب وعدہ وہی تمہارے ہاتھ لگا۔

بعض اور مقامات پر بھی یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ ۔ الخ (فاطر ۴۲)

اور وہ کافی کافی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا ہوتا تو وہ ہدایت یافتہ ہونے میں نمایاں گروہوں (یہود و نصاریٰ) سے بڑھ کر ہوں گے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین عرب اپنے کو امی یعنی بے کتاب اور بے رسول والا کہتے تھے۔ مومنین سے بحث و مباحثہ میں کبھی اس قسم کی بات کہہ اٹھتے کہ ہمارے پاس تو کوئی آسمانی کتاب ہی آئی اور نہ رسول ہی آیا ورنہ ہم راہ یابی میں سبقت لے جاتے۔ یہود و نصاریٰ اور صابی جن کی جمعیت اور دین داری مانی ہوئی ہے ان سے بھی دو ہاتھ آگے نکل جاتے۔

دیکھئے سورہ فاطر کی آیت لَیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ میں بھی اِحْدٰی بطور وصف کے نمایاں کے مفہوم میں ہے۔ اکائی کی گنتی کے مفہوم میں یہاں نہیں ہے۔

سیرۃ النبی کے مصنف نے سورہ انفال کی آیات (جو غزوہ بدر کے احوال پر مشتمل ہیں) کی بنیاد پر مورخین کے مشہور خیال کو رد فرمایا ہے اور یہ نہایت قوت والا استدلال ہے۔

حضرت علامہ نے یہ تو تحریر فرمایا کہ مسلمان مدینے سے لشکر کے دفاع کے لئے نکلے تھے قافلہ تجارت لوٹنے کے لئے نہیں، لیکن افسوس کہ آیت وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ زیر بحث آنے سے رہ گئی جس کی وجہ سے بات خوب واضح نہ ہو سکی۔ کاش مصنف کے قلم ہی سے آیت بالا کی تشریح بھی ہو گئی ہوتی تو یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہوتی۔

ذیل میں سورہ مذکور کی متعلقہ آیات کے مضامین کا تجزیہ کیا جاتا ہے کہ از خود قرآن کا یہ مطالبہ آسانی فیصلہ کر دے کہ مسلمانوں کا مدینے سے نکلنا لشکر سے جنگ کرنے کے لئے ہوا تھا اور وعدۂ خداوندی لشکر کے ہاتھ لگنے کا تھا۔

اس میں دو رائے نہیں کہ سورہ انفال غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی اور اس میں اولین بات مال غنیمت کی تقسیم پر جو بعضوں کو اعتراض ہوا تھا اس کا بیان ہے۔ معاً یہ بھی کہہ دیا گیا کہ مال غنیمت اللہ کی ملکیت ہے اور رسول اس میں اپنی صواب دید سے تصرف کا مجاز ہے۔ لگے ہاتھوں اس کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ وہ مال غنیمت جو تمہیں ہاتھ آیا ہے خداوند تعالیٰ کی نصرت و مدد سے ہاتھ آیا ہے۔ حضور نے اس کی تقسیم کے سلسلے میں چون و چرا تمہیں صحیح نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ غزوہ بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کو ہاتھ لگا تھا اس کا زیادہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو ان کی ضرورت کے تحت مرحمت فرما دیا۔ اس پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہوا۔ سورہ کا آغاز اسی مضمون سے ہوا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ یہ بات ویسے ہی غلط ہے جیسے آغاز جنگ میں مدینے سے نکلنے میں حیل حوالی والی بات غلط تھی۔

چونکہ ان کے یہ دونوں کردار (نفیر کا اعلان ہونے پر مدینے سے نکلنے میں حیل حوالی اور تقسیم غنائم پر اعتراض) تقویٰ، اصلاح ذات البین، اطاعت اللہ و اطاعت الرسول کے تقاضوں کے منافی تھے۔ اس لئے انہیں تقویٰ، اصلاح ذات البین اور اطاعت اللہ و اطاعت الرسول جیسی صفات پیدا کرنے کی تلقین کی گئی اور اہل ایمان کے صفات پوری وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں تاکہ حلقۂ اسلام میں جتنے لوگ بھی داخل ہوں ان اوصاف کو اپنائیں اور پھر اس طرح کی غلطی کا اعادہ ان سے نہ ہو۔

تقسیم غنائم پر چون و چرا اسی قبیل کی غلطی تھی جو آغاز جنگ میں نفیر کا اعلان ہونے پر اس سے پہلو تہی کی صورت میں ظاہر ہوئی اور میدان جنگ میں جانے کو موت کے منہ میں جانا تصور کیا گیا۔ حالانکہ پیغمبر عالم کی بدر کی جانب نفیر مراد ہی سے حق و باطل میں فیصلہ کن جنگ کے لئے تھی اور حقیقت یہ کہ جو کچھ میدان جنگ میں پیش آنے والا تھا اس کا سارا کا سارا نقشہ سامنے کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ مشرکین کے جتنے سردار مارے جانے والے تھے ان کے مارے جانے کی جگہوں تک کی نشاندہی کر دی گئی تھی اور لشکر کے ہاتھ لگنے کا مژدہ تو سنا ہی دیا گیا تھا۔ اس پر بھی نکلنے میں بعض بعض اور لشکر کے بجائے قافلہ تجارت کے ہاتھ لگنے کی خواہش نہایت غلط خواہش تھی جس پر انہیں تنبیہ کی گئی۔

سب سے بڑا مرحلہ آیت وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ کا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ سابق ریڈر قانون جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے مصنف سیرت کے مذکورہ بالا خیال سے اسی بنیاد پر اختلاف کیا ہے کہ آیت وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّائِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ

ذات الشوکۃ تکون لکم" سے صریح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے سے نکلتے وقت مسلمانوں کو یقین نہ تھا کہ وہ قافلے سے ملیں گے یا ان کی مڈبھیڑ لشکر سے ہوگی، دونوں امکانات تھے۔ چونکہ تجارتی قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل اور پانچ لاکھ درہم کا اسباب لے کر آ رہا تھا اس لئے مدینہ والوں کو یقین تھا کہ اس کی مدد اور حفاظت کے لئے قریش اپنے تمام حلیفوں کی مدد سے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ مقابلہ اور کشمکش کریں گے۔ مدینے سے زیادہ دور مکہ کی سمت جانا بھڑوں کے چھتے کے منہ میں جانا معلوم ہوتا تھا۔[1]

بظاہر آیت دونوں کے احتمال کو لئے ہوئے ہے لیکن اس کا سیاق و سباق اور اس کے ماقبل و مابعد آیات کا تقاضہ ہے کہ بے چون و چرا یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں کا غزوہ بدر کے سلسلے میں مدینے سے نکلنا لشکر سے مقابلے کے لئے ہوا تھا۔ لشکر کے ساتھ قافلہ تجارت کا ذکر مقصود کی حیثیت سے نہیں ہوا ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک مومنین کے ہاتھ لگے گا یک صورت حال سامنے کر دینے کے طور پر ہوا ہے۔ نیز نقشہ جنگ کی تصویر اور کافروں کے پیچھے مورچوں سے ہٹ جانے کی جگہوں کی نشاندہی، نام بنام، اور کافروں کی تعداد کی تقلیل قبل از جنگ اور عین مڈبھیڑ کے وقت اور مومنین کی تعداد کی تقلیل کافروں کی نگاہ میں اول اول اور تکثیر مڈبھیڑ کے وقت یہ سارے تصرفات وقوع میں آئے تاکہ مومنین کو اس کے سبب دلجمعی اور طمانیت حاصل ہو۔

احدی الطائفتین" کو کشتی کی اکائی کے بجائے مجازاً لشکر کے مفہوم میں اگر ڈاکٹر صاحب نے لیا ہوتا تو علامہ سے انھیں اختلاف نہ ہوا ہوتا۔ بظاہر اسی سبب سے انھوں نے علامہ سے اختلاف کیا ہے تاویل خوب ہے۔ "احدی" کی مذکورہ بالا توجیہ ذکر کی گئی ہوتی تو وہ بیان ہی جاتی۔

اس پر تفصیلی بحث سورہ انفال کے سلسلے میں خدا کو منظور ہوا تو آئے گی۔

بقیہ: امیر جماعت اسلامی کے ساتھ ——

جا سکتی ہے۔ حالات مشکل ہونے کے باوجود بہت سی حق کی طالب روحیں اسلام کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ہمیں اپنی کوششوں کو تیز کر دینا چاہئے۔

یہ ملاقات تقریباً ۴۵ منٹ تک رہی اور بہت مفید رہی اور جب برخاست ہوئی تو مولانا کے ذہنوں میں ایک نیا عزم، نیا ولولہ اور دعوتی نقشہ تھا۔ ان نشستوں میں آخری دعا کے لئے بھی شریک ہوئے۔

---

[1] عہد نبوی کے میدان جنگ، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،

سرزمین مصر کی عظیم دینی تحریک

الاخوان المسلمون

مصر کی عظیم دینی تحریک اخوان المسلمون کا تعارف —— اخوان کے رہنما جناب عبد البدیع صقر کے اس عربی خط کا ترجمہ ہے جو انھوں نے ایک پاکستانی سائل کے ان دو سوالات کے جواب میں تحریر کیا

۱۔ اخوان المسلمین کی دعوت کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟

۲۔ آج تک تحریک کامیابی سے ہمکنار کیوں نہیں ہوئی؟

قارئین حیات نو کے لئے ہم ماہنامہ میثاق لاہور کے شکریہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

(۱)

کسی دعوت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس دعوت کے بانی کی شخصیت، دعوت کے ابتدائی حالات اس کے ہیرو کارکنوں کے کردار اور ان کو پیش آمدہ مسائل سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اخوان المسلمین کے بانی الاستاذ حسن بن احمد بن عبد الرحمٰن البنا سرزمین مصر کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد اپنے وقت کے محدث کے بڑے عالم تھے۔ علم حدیث پر ان کی پانچ تالیفات ہیں۔ صرف ایک تالیف ۲۴ جلدوں پر مشتمل تھی۔ حسن البنا نے اپنی ابتدائی زندگی مصر کے ضلع بحیرہ میں بسر کی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جدید علوم کی تحصیل کے لئے دار العلوم کالج میں داخلہ لیا جہاں سے فراغت کے بعد حکومت مصر کے شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے لیکن سرکاری ملازمت کی پابندیاں آپ کو راس نہ آئیں اور بالآخر ملازمت سے استعفیٰ دے کر اخوان المسلمین کی بنیاد رکھی۔ عمر بھر دینی دعوت کی عملی تفسیر بنے رہے۔ فلسطین اور نہر سویز کی آزادی کے لئے آپ نے اپنی جماعت سمیت قتال فی سبیل اللہ میں عملاً شرکت کی۔ آپ

جماعت میں سب سے پہلے شہادت کا شرف حاصل کرنے کی سعادت بھی آپ کے حصے میں آئی۔

مختصراً اخوان کا نصب العین درج ذیل الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

اَللّٰہُ غَایَتُنَا	اللہ ہمارا مقصود ہے۔
اَلرَّسُوْلُ زَعِیْمُنَا	رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے قائد ہیں۔
اَلْجِہَادُ سَبِیْلُنَا	جہاد ہمارا راستہ ہے۔
اَلْمَوْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَسْمٰی اَمَانِیْنَا	اللہ کی راہ میں موت ہماری سب سے بڑی آرزو ہے۔

امام حسن البنا کی ساری زندگی غربت و فقر میں گزری۔ آپ کی سب سے بڑی میراث آپ کی دعوت ہے۔ آپ کی شخصیت اخوان کے دلوں کی دھڑکن تھی آپ کے ذاتی حالات کی بجائے زیادہ مناسب یہ ہے ہم ان کی جماعت اور اس کی جدوجہد کا تعارف پیش کریں۔

جہاں تک اخوان کی دعوت کا تعلق ہے تو وہ کسی نئی دعوت کے داعی نہیں تھے۔ ان کی جدوجہد کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کی زندگی انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے تابع ہو جائے۔ وہ اسی ابدی پیغام کے علمبردار تھے جو حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سارے پیغامبر لاتے رہے۔

کردار اور عمل کے میدان میں بھی اخوان المسلمین نے اس گئے گزرے زمانے میں وہ نمونے پیش کئے ہیں جن کی مثال ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگرچہ ہم چند نمایاں افراد کے کردار و قربانیوں سے آگاہ ہیں لیکن ایسے سینکڑوں اور ہزاروں افراد کا کردار اور عمل ہم سے پوشیدہ ہے۔ اللہ جل شانہ کا یہ فرمان بالکل برحق ہے کہ۔

"وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ	تیرے رب کے لشکروں کو صرف
اِلَّا ھُوَ"	وہی جانتا ہے۔

مصری معاشرہ میں اخوان اپنے کردار کی وجہ سے سب سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے کردار کی صفات کی وجہ سے ان کو ذاتی طور پر جانے بغیر بھی عام آدمی یہ بتا دیتا ہے کہ یہ شخص اخوانی ہے۔ اخوان کی تنظیم میں ارکان کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ کارکن کہلاتا ہے

اور دوسرا معاون۔ کارکن کو کردار کے مخصوص معیار پر جانچا جاتا ہے اور یہ معیار ایسا ہے کہ آج تک بے پناہ مصائب اور مشکلات کے باوجود کسی کارکن کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ اخوان کی ہمت اور استقامت دراصل مرشد حسن البنا کی تعلیمات اور تربیت کا نتیجہ ہے۔ مرشد نے اپنی اکثر و بیشتر تقاریر اور خطبات میں اس راہ کی مشکلات اور آزمائشوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"اے میرے بھائیو! تم کوئی رفاہی تنظیم نہیں ہو جس کے اغراض و مقاصد محدود ہوتے ہیں۔ تم تو امت مسلمہ کی روح ہو، تمہیں اس امت کو قرآن کے ذریعے زندہ کرنا ہے۔ اللہ کے راستے کی طرف رہنمائی تمہارا وظیفہ ہے۔ تمہاری دعوت کوئی من گھڑت دعوت نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو تخلیق کیا ہے۔ بس نئی بات صرف یہ ہے تمہیں اس فطرت کے حسین چہرے کو ہر نوع کے گرد و غبار اور آلودگی سے پاک کرنا چاہئے، خواہ یہ آلودگی غلو کرنے والوں کے افکار و نظریات کے سبب ہو یا باطل پرستوں کی تاویل و تحریف کی وجہ سے۔ تمہارا مقصد تو یہ ہے کہ یہ فطرت بالکل اسی طرح صاف و شفاف اور پاکیزہ ہو کر آشکار ہو جائے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس سے لیکر آئے تھے۔ اگر تمہاری کوشش یہ ہے کہ شریعت اسلامی نافذ ہو جائے تو سب سے پہلے اسے اپنے آپ پر نافذ کرو۔ تمام لوگوں کو اس نظام و شریعت کی دعوت دو خواہ وہ حاکم ہو یا رعایا۔ اس ساری جدوجہد اور کشمکش کا مقصد صرف ایک ہے کہ اطاعت اور بندگی صرف اللہ کے لئے خالص ہو جائے۔ زمین پر فتنہ و فساد باقی نہ رہے۔ ایک زمانہ میں اسلام کا قانون سیاست، عدالت، حکومت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما تھا لیکن آج کیفیت یہ ہے صرف شریعت کی پسندیدگی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن عوام اور خواص دونوں کی اکثریت اسے ماننے کو تیار نہیں یا کم از کم انہیں نفاذ شریعت کی برکات اور اس کے فوائد کا شعور و ادراک نہیں، دوسری طرف بہت سے لوگ اس دعوت کی حقیقت و ماہیت سے بالکل بے خبر ہیں جس دن لوگ اس دعوت کے اغراض و مقاصد سے آشنا ہو جائیں گے اس دن ان کی مخالفت اور شدت میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ قوم کی دین سے ناواقفیت بھی آڑے آئے گی کم

علم ہوتی بھی تمہارا راستہ روکیں گے، اللہ کی راہ میں تمہارا جہاد ان کی سمجھ ہی نہیں آئے گا، مسلمانوں کی حکومتیں بھی تمہارے مقابل صف آراء ہوں گی۔

استعماری طاقتیں تمہاری جدوجہد کو ہر طریقہ سے غارت کرنے کی کوشش کریں گی۔ کفریہ حکومتیں پست اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے تعاون کریں گی۔ مادی تعاون کے طلب گار بھی تمہارے درپے آزار ہوں گے، اور تمہارے بدخواہ اور دشمن ان کے آلہ کار بن کر سامنے آئیں گے۔ ابتلاء و امتحان کے اس دور سے ہر حال تم گزرو گے۔ تمہیں قیدی بنا کر جیل خانوں میں ڈالا جائے گا۔ یا ملک بدر کر دیے جاؤ گے تمہارے ذرائع و وسائل پر بھی ہاتھ ڈالا جائے گا۔ تمہارے گھروں کی بھی تلاشی لی جا سکتی ہے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عرصہ ابتلاء طویل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ — الم۔ کیا لوگوں کا خیال ہے وہ
يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا — ایمان لانے کے بعد ایسے ہی چھوڑ
وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ — دیے جائیں گے؟ اور انکو آزمائش
میں نہیں ڈالا جائیگا۔

البتہ ان ساری آزمائشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مجاہدین کی مدد و نصرت کرے گا اور مخلصین و صادقین کو فردوس کے اجر و ثواب سے نوازے گا۔ یہ تو تھی مرشد عام رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو۔

مرشد عام سے ارکان جماعت کا تعلق خالصتاً اللہ کے لیے تھا۔ اس میں نہ سلاسل صوفیاء کی طرح مبالغہ آمیز عقیدت تھی اور نہ ہی سیاسی جماعتوں کی طرح مفاد پرستی بلکہ یہ ایک خوبصورت اور مثالی رشتہ تھا۔ ہم میں سے اکثر ارکان مرشد عام کی رائے سے اختلاف بھی کر لیتے تھے، اور بغیر خوف کے مشورہ بھی دے دیتے تھے۔ آپ ہماری رائے قبول کرتے ہوئے حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔ اور ہمارے حق میں دعا بھی کرتے تھے۔ ہمارے گھروں میں تشریف لاتے بے پناہ تواضع اور خوش دلی سے ہماری انفرادی اور نجی مشکلات کا حل تلاش کرتے۔ ایک موقع پر ایک مخالف پرچے نے بھی اس مشفقانہ تعلق پر اس طرح تبصرہ کیا

تھا: "مرشد عام حسن البناء ایک آدمی ہے کہ اگر وہ قاہرہ میں چھینک مارے تو اسوان جیسے بعید شہر میں بھی ہزاروں آدمی اس چھینک کا جواب یَرْحَمُکَ اللہ کہہ کر دیتے ہیں۔" اس کے ساتھ ساتھ اس پرچے کا کردار یہ بھی ہے کہ "جب مرشد عام نے سرحدوں میں مجاہدین فلسطین کے لیے تعاون کی اپیل کی اور کہا کم از کم ایک گرم کپڑوں کا بطور تعاون آنا چاہیے تو اس پرچے نے آپ کو "مرشد عام" لکھنے کے بجائے "مسئول عام - دھوکے باز" لکھا تھا" یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے نمایاں ہے کہ اس طرح کے پرچے حکام کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتے رہتے ہیں اور ہماری تحریک کے خطرناک ہونے کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔

امام حسن البناؒ کا انداز تربیت بہت خوب تھا۔ انھوں نے اخوان کے اندر باہم محبت پیدا کی، دعوت حق کی خاطر دلوں کو اس طرح جوڑ دیا جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور یہ اوصاف ان تمام لوگوں میں محسوس کیے جا سکتے ہیں، جو آپ کے ساتھی بن کر آپ کے ساتھ چلے۔ آپ کے ساتھیوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و جان سے پسند کیا، اور اسے معاشرے میں رواج بخشا۔ اخلاق قرآنی، اور سیرت مصطفےٰ کو اپنے گھروں اور ذاتی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ ان کی زندگی کے انداز بدل گئے ذاتی کیفیات بدل گئیں، لیکن دین کے اصول بدل گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے اعتبار سے صحیح اور سچے مومن ہو گئے۔ "خدا کی قسم، تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس دین الٰہی کی تابع نہ ہو جائے۔"

تمام عرب ممالک اور اکثر اسلامی ملکوں کے لیے فکری رہنمائی کا مرکز مصر ہی ہے۔ اخوان المسلمین کی جدوجہد کے نتیجے میں اسلامی کردار کی لہر بھی اکثر ملکوں تک پہنچی اور ان ملکوں میں بھی اخوان کی طرز پر مختلف جماعتیں پروان چڑھیں۔

اگرچہ تمام حکومتیں اخوان کی مخالف رہیں لیکن عوام قریب آتے گئے اور ایسا اس لئے ہوا کہ اخوان ساتھیوں نے ہر موقع پر بہادری و شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ خواہ مقابلہ سویز نہر پر انگریز کے خلاف ہو، یا فلسطین میں یہود کے خلاف جہاد ہو۔ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ زبردست مقابلے کے باوجود صرف نو افراد کی ٹولی نے ۱۹۴۸ء میں یہودیوں سے دو مرتبہ

سی، قطعی طور پر گروار کر دی تھی۔ بیس سال بعد پوری فوجی طاقت کے باوجود یہودیوں نے انقلابیوں (جماعت مجاہدین اسلام کا گروہ) کے وجود سے چھین لیا۔ جب عدالتوں میں اخوانیوں کے کے خلاف فیصلے ہو رہے تھے اس وقت بھی انہوں نے اپنی جرات و استقلال کا لوہا منوایا۔ مختلف مواقع پر فوجی عدالتوں کے ججوں اور جیلوں کو بھی اپنی جرات، پامردی کے سبب پراساں یا ششدر کر دیا۔ جیلوں میں ارکان جماعت کی ثابت قدمی قریباً ضرب المثل ہے۔ الطور نامی قید خانے میں انہوں نے مدارس الہجرۃ کے نام سے تعلیم و تربیت کے مکتوبات خانے قائم کئے۔ مدت قید یہاں دو سال تک رہی جبکہ افراد کی تعداد چھ ہزار تھی۔ الواحات کے قید خانوں میں بھی ایسے ہی مراکز قائم تھے۔ یہاں کی مدت قید سترہ سال تھی۔ دیگر جیلوں میں بھی نظام تعلیم و تربیت قائم تھا جو تقریباً بیس سال چلتا رہا۔ بعض اخوانیوں نے زمانہ قید میں قرآن حکیم حفظ کیا۔ کئی ساتھیوں نے بی اے پاس کیا۔ اس طویل آزمائش کے باوجود کسی ایک ساتھی کو بھی اپنے نظریے میں شک نہیں گزرا اور نہ ہی اپنے قائد یا دیگر رہنماؤں کے بارے میں بدگمانی ہوئی، نہ کسی نے جذبات میں آکر راستہ تبدیل کرنے کا سوچا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ساری مشقت و آزمائش کے زمانے میں ایک الہامی قسم کی لذت محسوس کرتے رہے۔ اگرچہ اسی ابتلاء و تعذیب کے دوران کئی حضرات شہید بھی ہوئے۔ اس آخری وقت میں ان کی زبان اللہ کے ذکر سے تر، اور دماغ دعوت و تحریک کے لئے فکر مند تھا۔

مختلف اوقات میں سات مرتبہ جماعت کی تمام شاخوں پر پابندی عائد کر کے کالعدم قرار دیا گیا۔ ایسی کارروائیوں کا بھی ارکان جماعت پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور نہ ہی ان کا جذبہ اسلام مدھم پڑا بلکہ ان کی جد و جہد اور غیرت دینی اور تیز ہو گئی، اس لئے کہ ان کو افسوس و حسرت ہوتی تھی۔ ان مشید ادوار کے ختم ہونے پر۔ قید و بند کی ضبطی پر اسلامی مراکز کے بند ہونے پر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سہارے وہ اپنا کام دوبارہ شروع کر دیتے تھے۔ حکومت بھی بیانات خود جیلوں اور قید خانوں میں وعظ و نصیحت کے نام سے درس و تقریر کا انتظام کرتی تھی حالانکہ اس وعظ و نصیحت کا حقیقی مقصد ذہنوں کی صفائی –

(BRAIN WASHING) تھا، یا کم از کم دعوت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا ہوتا تھا۔ بنیادی طور پر غلط فہمیاں پیدا کرنا، قائدین کے کردار کے بارے میں دھوکا دینا بھی اس میں شامل تھا تاکہ ارکان جماعت کو حکومت اپنا آلہ کار بنانے میں بھی کامیاب ہو گئی تھی۔ انہیں دوسرے ساتھیوں کی تردید کرتے یا باہمی اخلاص و محبت کی فضا خراب کرنے کی خاطر وہاں جیلوں میں رکھ رکھا تھا۔ اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے حکمراں بہت محنت کرتے، اخراجات برداشت کرتے، اور ایسے کاموں میں مہارت رکھنے والے "فنکاروں" کو دور دور سے دعوت دے کر لاتے تھے۔ اس سب جد و جہد کے باوجود اخوانیوں پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوتا تھا وہ کامل یقین اور اخلاص کے مالک تھے۔ اللہ پر ایمان اور اللہ سے مضبوط تعلق ان کے شعور کی بنیاد تھا۔ لوگوں کو آج بھی اس بات پر تعجب ہے کہ اخوانیوں کا اللہ تعالیٰ سے کیا نرالا تعلق ہے کہ آزمائش اور امتحان کی ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے اور وہ کامیاب و کامران واپس آتے ہیں۔ حالانکہ اصل بات تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان ہوئی ہے۔

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ	اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جوڑ
أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	رکھا ہے اگر آپ سارا کا سارا زمین پر موجود
مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ	وسائل بھی خرچ کر دیں تب بھی
اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ	ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے۔
إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ القرآن	حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کے دلوں کو جوڑا ہوا ہے اس کی ذات عزیز و حکیم ہے۔

امام حسن البنا کوئی ایسے بڑے فصیح و بلیغ خطیب بھی نہ تھے جس کے بل بوتے پر اخوان المسلمین تشکیل پائی۔ مصر میں امام حسن البناؒ سے کہیں بڑھ کر خطیب و بلیغ آدمی موجود تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی نیک نیت اور مخلصانہ ارادے کا یہ کارنامہ تھا جس کی وجہ سے منظم شدہ خواہشات نفس کے غلام بنے نہ کسی لالچ کا شکار ہوئے نہ تکبر اور بڑا بننے کی خواہش پروان چڑھ سکی بلکہ ہر طرح کی خود پسندی سے بے نیاز رہے۔ وہ آزادی انہیں کر دلوں کا غلام ہو جانے [illegible] اس جہاد کر [illegible] امام حسن البنا [illegible] تالیف و تصنیف [illegible] بھی کوئی [illegible] تھے اس

نظام کی جماعت بنانے کی بنیاد فراہم کر سکتے۔ ان کی کتابیں چند ایک ہیں، البتہ بہت گہری اور پرتاثیر۔ ایک موقع پر امام صاحب سے سوال ہوا آخر آپ بڑی بڑی کتابیں کیوں نہیں تالیف کرتے؟ آپ نے جواب میں فرمایا میں افراد تیار کر رہا ہوں، وہ اگر چاہیں تو تصنیف کر سکتے ہیں۔

اے میرے بھائی! جماعتوں کی کامیابی یا ناکامی سے متعلق گفتگو کے لئے باریک بینی اور گہری سوچ کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ دعوت اور تحریک لوگوں کی نگاہوں میں کامیاب ہوتی ہے لیکن اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحریک سخت آزمائش سے دوچار ہوتی ہے، لیکن اندر سے مضبوط اور پھلنے پھولنے کے قابل ہوتی ہے۔

اب ہم وسائل جماعت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

جماعت اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے جن محدود وسائل کو بروئے کار لاتی ہے اس کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ارکان جماعت کی تربیت کی، اور پورے معاشرے کو انہی عقائد و نظریات کی طرف دعوت دی۔ اور یہی بات درحقیقت کی اصل روح ہے۔

۲۔ حکمرانوں کو پوری خیرخواہی کے ساتھ نصیحت کی حسب ضرورت ان کے کردار پر تنقید بھی کی، تاکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو ہی نہ بھلا دیا جائے۔

۳۔ قومی بہبود کے مختلف مراکز قائم کئے، رفاہی کاموں میں شمولیت کی، لوگوں کی مشکلات میں شریک ہو کر ان کی غمگساری کی، اور یہی اللہ کا حکم ہے:

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	نیک کام کرو شاید کہ تم فلاح پا سکو۔

۴۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اس فکر کو پھیلایا۔

۵۔ جہاں وسائل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے ہر طرح کی فکری یلغار کو روکا، تاکہ دین کے نام سے کوئی غلط نظریہ اور فکر پروان نہ چڑھ سکے۔

اور نہ ہی کوئی رکاوٹ پیدا ہو جس سے دعوت و تبلیغ کا کام رک جائے۔ بلاشبہ جماعت کی دعوت مصر کے علاوہ بھی بہت سارے ملکوں میں پھیل چکی ہے جس تاسیسی کمیٹی کا رکن ہونے کا شرف مجھے (فضیلۃ الشیخ عبدالبدیع صقر حفظہ اللہ) کو حاصل ہے۔ اس کمیٹی میں اردن، شام، عراق اور سوڈان کے اخوانی بھی شامل ہیں، اکثر ملکوں میں جماعت کو اپنی شاخیں قائم کرنے کی اجازت مل چکی ہے، البتہ بعض ملکوں میں علی الاعلان کام کرنے کی فضا سازگار نہیں، چنانچہ وہاں خفیہ تنظیمیں قائم کی گئیں، جو علاقائی مرکز سے وابستہ ہیں، علاوہ ازیں مصر کے اندر بھی جماعت کی ہزاروں شاخیں ہیں، جو بہت فعال اور نتیجہ خیز ثابت ہوئی ہیں لیکن خصوصی طور پر جس چیز نے مصر کے حکمرانوں، استعماری طاقتوں اور بالخصوص یہودیوں کو پریشان کر رکھا ہے وہ جہاد فلسطین کی مہم ہے، مدتوں سے استعماری طاقتوں اور ان کی انگلی پر ناچنے والے حکمرانوں کی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ ختم کر کے رکھ دیں اور رنگ کو بدل دیا جائے مسلمانوں کو مختلف قسم کے کھیلوں اور عالمی شہرت یافتہ ایوارڈز کے حصول کا خوگر بنایا جائے جس کا جہاد کے مقابلے میں قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہے۔

استعماری طاقتیں اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہی ہیں، انہوں نے امت مسلمہ کو حقیقت جہاد سے کافی حد تک غافل کر دیا ہے۔

آخر کار اخوان المسلمون کی تحریک اٹھی جنہوں نے لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ و اعلاء کلمۃ اللہ کی دعوت دی۔ نہر سویز کی بازیابی اور جہاد فلسطین کے موقع پر عملاً اس کا مظاہرہ بھی کر دکھایا یہی بات استعماری طاقتوں کو سخت پریشان کئے ہوئے ہے چنانچہ انہوں نے جھنجھلا کر ہمارے خلاف پورے منصوبے کے ساتھ سازشوں کا جال پھیلا دیا ہے۔

س: آپ نے تصویر کے دوسرے رخ کا جائزہ پیش کیا، کیا وجوہات تھیں جن کی وجہ سے "الاخوان المسلمون" کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے؟

ج: دانش و بصیرت کی ایک رائے تو یہ ہے کہ "الاخوان المسلمون" اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام تو نہیں ہوئے۔ میں نے ابھی جن وسائل کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں، انہیں بروئے کار لا کر جماعت اعمال لوگوں تک اپنی دعوت پہنچا رہی ہے، اور لوگوں کی بڑی امید لگی ہیں

ان پر بھی چھوڑی ہیں۔

جماعت دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی رہنمائی کر رہی ہے اور احکام وقت کی خیر خواہی میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہی۔

موجود الوقت صورت حال یہ ہے کہ:

مصر کے علاوہ دیگر کئی ممالک میں اس کو ماننے والے اور اس کی پکار پر لبیک کہنے والے موجود ہیں البتہ کہیں تو برملا اور علی الاعلان اس کا ساتھ دے رہے ہیں اور کہیں اندرون خانہ اس کے معاون اور مدد گار ہیں۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ "تحریکوں" کی عمریں بہت لمبی ہوا کرتی ہیں اس کا کسی فرد سے تقابل کرنا صحیح نہیں ہے مزید برآں آج تک جس قدر مصائب و تکالیف اور پریشانیاں رکاوٹیں آئی ہیں وہ اس راہ کی عام چیزیں ہیں، دعوت حق لے کر اٹھنے والوں اور جہاد فی سبیل اللہ کے راہیوں کو ایسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے (جو دعوت کی حقانیت کا ثبوت اور تربیتی پہلو سے اس راہ کی سنگِ میل ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ ثابتہ ہے کہ جس کسی نے بھی جہاں کہیں اس علم کو تھاما تو اسے ان مراحل سے گذار کر جانچا اور پرکھا گیا گویا یہ وہ قاعدہ کلیہ ہے جس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔)

فی الحال جماعت حالات کے نشیب و فراز کا مطالعہ، تجزیہ اور سوچ بچار اور انتظار کے دور سے گذر رہی ہے بالآخر از سرنو اسے عزم جواں کے ساتھ سفر جاری رکھنے پر رواں دواں ہونا ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ہاں! کچھ دلوں کو یہ کہنے کا حق بھی پہنچتا ہے کہ نصف صدی گذر جانے کے باوجود بھی الاخوان المسلمون انقلابی جماعتوں کی طرح کوئی نتیجہ خیز کامیابی حاصل نہیں کر سکے جو ہر طرف دیکھی اور محسوس کی جا سکے اور اخوان کی دعوت اپنی متوقع منزل سے بہت پیچھے رہ گئی ہے ہمیں اعتراف ہے کہ یہ اعتراض کسی حد تک صحیح ہے، دراصل جماعت کی پسپائی کی مختلف وجوہات ہیں، جو درج ذیل ہیں

ا۔ جماعت کے اندرونی حالات

ب۔ ملک (مصر) کے مخصوص اندرونی حالات

ج۔ اور عالمی سیاسی حالات

جماعت کے اندرونی حالات:

جماعت کے اندرونی حالات نے مندرجہ ذیل شکلوں میں جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچایا:

ہمارے بعض اخوانی ساتھی سخت جذباتی واقع ہوئے، جو دعوت جہاد کا نام سنتے ہی مشتعل ہو گئے کیونکہ انہیں بالکل تجربہ نہیں تھا، جبکہ مرشد عام اول و ثانی نے واضح الفاظ میں ہدایت جاری کی تھی کہ ابھی انتظار کیا جائے اور دقت نظر سے جائزہ لیا جائے مگر مرشد عام اور لیڈر شپ کی اجازت کے بغیر ہی انہوں نے کئی اقدامات کر ڈالے، مثلاً:

ایک مجسٹریٹ کو قتل کر دیا گیا چند پولیس چوکیاں لوٹ لیں، اس طرح کی باتوں سے جماعت کی شہرت و نیک نامی کو سخت دھچکا لگا، ظاہر ہے کہ ایسی حرکات کی وجہ سے جماعت پر دہشت پسندی اور تخریب کاری کا الزام لگایا گیا، حالانکہ ایسی وارداتیں جماعت کی اجازت سے ہوئیں نہ ہی جماعت کی مرضی و میلان کو دخل تھا۔ ایسے مشتعل ساتھیوں نے اپنے امراء کی مخالفت کی جس سے جماعت کو ابتدائی دور ہی میں سخت نقصان اٹھانا پڑا، بعض ساتھی دشمن کی چال سے دھوکا کھا گئے اور انہوں نے جماعتی پالیسی کے علی الرغم ان سے حسن ظن کی بنیاد پر تعاون کیا جس کی وجہ سے آزمائش و مشکلات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا اور یہ چیز عظیم خسارہ کا باعث بنی جیسا کہ جمال عبد الناصر کے زمانے میں ہوا کہ اس نے کئی افراد کو جماعت کو تباہ کرنے کی خاطر اپنا آلۂ کار بنایا، انہیں اپنے قریب کرنے کے بعد بالآخر انتقام کا نشانہ بنایا۔

مصر کے حالات:

مصر کے اندرونی حالات نے مندرجہ ذیل شکلوں میں ہمیں نقصان پہنچایا۔

مصری قوم طبعاً بھی سرزمین کی سی سلامتی و سہولت پسند واقع ہوئی ہے، اپنی آزاد مرضی کے ساتھ تو وہ جہاد کو لبیک نہیں کہتی الا یہ کہ کوئی جابر حکمران انہیں مجبور کر دے، اکثریت کا حال تو یہ ہے کہ "کلمہ جہاد" سے ہی گھبراتی ہے، الا ماشاء اللہ

مصری سرزمین جزیرہ نما ہے، دو طرف سے سمندر میں گھری ہوئی ہے اور باقی دو طرف لق و دق صحرا ہے، نہ ادھر سے کوئی داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہاں سے کوئی بھاگ کر جا سکتا

ہے اور وہاں کے باشندے بآسانی حاکم کے نرغے میں آجاتے ہیں، اور اس سے خلاصی کی کوئی سبیل نہیں پاتے۔

پوری مصری قوم تقریباً غیر مسلح ہے سوائے ان افراد کے جو سرکاری اجازت اور رضامندی سے ہتھیاروں کے حامل ہیں اور حکومت کو قطعاً یہ برداشت نہیں کہ کوئی ذی سلاح ہو کیونکہ ان کیلئے خطرے کا موجب بنے

تمام حکمران مصری قوم کو نادار قرینے ہیں لیکن انہیں خوب معلوم ہے کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ بس دیکھ سکتے ہیں اور صبر کرتے ہیں۔

داخلی مشکلات میں سے ایک بڑی مشکل مصر میں جامعہ ازہر کا وجود ہے جامعہ ازہر بہت بڑا دینی ادارہ ہے قدیم زمانے سے مصر کی پہچان ہے، اور اس نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی قابل قدر خدمت کی ہے لیکن جب سے ازہر سرکاری تحویل میں آیا اور حکومت ہی اس کی مالی کفالت کرنے لگی تو یہ سرکاری "محکمہ برزہ" بن کر رہ گیا ہے، حالانکہ اس سے قبل جب یہی جامعہ ازہر آزاد تھا اور عوام الناس کے چندہ سے چلتا تھا تو اس نے انگریزی اور فرانسیسی استعمار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جسکا جذبہ حریت اور جہاد عدیم المثال تھا۔

مصری حکومت اور ازہر کی قیادت کی مخالفت کے باوجود بعض مصری علماء نے ہمارا ساتھ دیا باقی علماء اور طلباء نے یا تو موت دشمنی کا ثبوت دیا ہے، پھر غیر جانبداری برتی، اب تو حال یہ ہے کہ عدالتی کارروائی سے ہی قبل علماء جامعہ ازہر معمولی معمولی باتوں پر کفر کا فتوے صادر فرما دیتے ہیں اور یہ وہ ازہری علماء ہیں جنہوں نے کسی موقع پر بھی "اخوان" کا ساتھ نہیں دیا خواہ آزمائشوں کے پہاڑ بھی اخوانیوں پر ٹوٹ جائیں۔

ہم جس قدر ازہری علماء کے قریب ہوئے وہ اتنا ہی ہم سے دور ہوتے گئے بلکہ بسا اوقات تو انہوں نے ہو بہو قاتلین و حاسدین کا کردار ادا کیا۔

اسی طرح وزارت اوقاف میں پورا ایک محکمہ ایسا بھی ہے جو خطباء مساجد کو ہدایات جاری کرتا رہتا ہے، اور یہ محکمہ زیادہ تر ازہری علماء پر مشتمل ہے چنانچہ ایک کو چھوڑ کر اکثر خطباء مساجد وہی کچھ کہتے ہیں جو حکومت کی مرضی و منشا ہوتی ہے، بس اللہ ہی جس کو ہدایت یافتہ ہو سکتا ہے۔

داخلی مشکلات میں وزارت اطلاعات و نشریات کا بھی بہت بڑا دخل ہے، یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ روزنامہ الاہرام، الہلال، المقتطف اور السیاسۃ وغیرہ سب کے سب عیسائیوں کی ملکیت ہیں اور ان کی مکمل اجارہ داری قائم و دائم ہے، اسی طرح سینما، اسٹیج ڈرامہ اور ذرائع ابلاغ بھی انہی کے کنٹرول میں ہیں، مصر کی ساری تجارت مثلاً شراب، رقص اور سود وغیرہ پر یہی حضرات چھائے ہوئے ہیں فحاشی اور بے حیائی پھیلانے والے یہی ہیں، انکے ہی اشاروں پر عریانی و فحاشی کو فروغ ملے سب پر یہ ظاہر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اسلامی حکومت کے قیام سے بجائے خوشی کے رنج و الم ہوگا۔

داخلی مشکلات میں سے پولیس اور فوج کے مخصوص حالات بھی ہیں، ان اداروں کو حضرت انگریز نے قائم کیا بلکہ خاص رنگ پر ان کی تربیت بھی کی، آزادی کے بعد آج تک بھی یہ ادارے اپنی اسی روش پر برقرار ہیں، یہ محکمے مقامی و قومی اور اسلامی ثقافت و تہذیب سے بالکل کٹے ہوئے ہیں عوام اور ان محکموں کے درمیان دوری اور نفرت کی دیوار حائل ہو چکی ہیں، عام پولیس والا تو انتہائی سخت محنت اور ذلت آمیز زندگی بسر کرتا ہے جبکہ بڑے افسران عیاشی میں لت پت رہتے ہیں، عام سپاہی تو انتہائی مفلوک الحال اور محتاج ہوتا ہے کہ اس کیلئے معمولی سے مالی مفاد کی خاطر تقویٰ و اخلاق سے عاری ہوتے ہوئے کسی قیدی کو قتل کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی افراد کی وجہ سے ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، حالانکہ یہ ہمارے ہم وطن ہیں لیکن معمولی معمولی باتوں پر انہوں نے ہمیں بھی سخت سزائیں دیں۔

اندرونی مشکلات میں عیسائیوں کا ہاتھ بھی ہے اگرچہ مصر میں ان کی آبادی صرف ۱۲٪ ہے لیکن ان کی سیاست بازی اور ساز باز کی وجہ سے ہر حکومت ان کی خوشنودی کی خواہاں رہی، انتخابی اغراض و مقاصد کی خاطر ان کے تعاون کی طلبگار رہی، اس نے مصر کے قبطی عیسائیوں کے تعلقات بااثر خارجی ممالک سے بھی ہیں اور یہ ملک اکثر اوقات مصر کو دھمکاتے ڈراتے رہتے ہیں یہ عیسائی کئی طریقوں سے اخوانی دعوت کے آڑے آتے ہیں مثلاً مخالفانہ پروپیگنڈا، عوامی جذبات کو برانگیختہ کرنا، جاسوسی کرنا وغیرہ وغیرہ چونکہ وہ مختلف اہم سرکاری عہدوں پر متعین ہیں۔ بعض وزراء بھی عیسائی ہیں، یہی حال عدلیہ، فوج اور تجارت پیشہ لوگوں کا ہے کہ معقول تعداد میں عیسائی ان میں گھسے ہوئے ہیں، اور یہ اخوان کے سخت دشمن ہیں اور ان کی سرپرستی کے

کے لئے عالمی سطح کے عیسائی مشنری ادارے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ موجود ہیں۔

عالمی ماسونی تحریک: عالمی حالات کی وضاحت دو حرفی لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے۔ سب سے اہم بات تو عالمی ماسونی تحریک ہے۔ مؤثر فلسطین میں جب یہودیوں کو ہم سے واسطہ پڑا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اخوانی مجاہدین دوسرے فوجیوں سے بہت مختلف اور نمایاں ہیں، کیونکہ اخوانی زندگی اور فتح سے بھی زیادہ موت کو پسند کرتے تھے۔ یہ بھی ہوا کہ صرف بیس آدمیوں کے مختصر سے گروپ نے ایک جگہ پوری یہودی آبادی کو شکست سے دوچار کیا، جبکہ وہ یہ علاقہ اخوانیوں کے قبضے میں رہتا تھا پھر مجبوراً مصری فوج کے سپرد کرنا پڑتا تھا اور بالآخر فوج کو حکم ملتا تھا کہ یہ علاقہ دوبارہ یہودیوں کو واپس کر دیا جائے۔ متعدد مواقع پر یہودیوں نے برملا کہا کہ جب تک اخوانی مشرق وسطی میں موجود ہیں، اسرائیل کے لئے امن و سکون کی گنجائش نہیں، اس لئے ماسونی تحریک کے نمائندے ہمیشہ مصری حکومت سے مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنی قوت اخوان کے خلاف استعمال کرے اور اسے ختم کر کے دم لے، معاہدے طے کرنے اور امداد لینے کے لئے یہ بات مصری حکومت کی مجبوری بن جاتی تھی، خواہ حکومت یہ اقدام برضا و رغبت کرے یا مجبوری کی وجہ سے انہوں نے یہی کردار انگریز حکومت کے زمانے میں ادا کیا، جمال عبدالناصر کے دور حکومت میں بھی یہی ہوتا رہا، خواہ وہ امریکہ کا منظور نظر رہا یا روس کا ایجنٹ بنا رہا، اور آج تک یہی ہو رہا ہے۔ حکمران اس کا برملا اظہار کرتے رہے اور اسے چھپانے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔

عالمی صلیبی تحریک: یہ حقیقت بھی کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں کہ یورپی لشکر مشرق وسطی کو فتح کرنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے آئے تھے اور یہ صلیبی جنگیں دو سو سال تک جاری رہیں، بالآخر انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی، اس فوجی شکست سے ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور آج تک وہ مسلمانوں سے ہر میدان میں برسر پیکار ہیں۔ وہ اس حقیقت کو قطعاً نہیں بھولے اور نہ کبھی فراموش کر سکیں گے کہ مسلمانوں کی اصل طاقت ان کی دینی اور روحانی قوت ہے، اس لئے وہ ہر اسلامی جہاد کی حامل تحریک کے معاملے سخت حساس ہیں البتہ قوم

پرست تحریک سے انہیں کوئی خطرہ و سر درد کا سبب نہیں ہوتا۔ وہ اسلامی جہاد کو بھول بھی کیسے جائیں کیونکہ مسلمانوں نے اسلامی جہاد کے ذریعے ہی ترکی، جنوبی یونان، ہسپانیہ، یوگوسلاویہ اور جنوبی فرانس فتح کر لیا تھا، تمام کافرانہ حکومتیں اسلامی جہاد کی حامل تحریکوں کی سخت دشمن ہیں اور خاص طور پر مشرق وسطی سے اٹھنے والی تحریکوں کی۔

مصر میں ان کے مشنری سکول ہیں، ہم نوالہ و ہم پیالہ دوست ہیں، سفارتی ادارے، کمپنیاں اور تجارتی ادارے ہیں جو ہمہ وقتی دعوت اسلامی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کا سوچتے رہتے ہیں، بالعموم ان ملکوں کے سفراء کا تقرر نہیں کرتے ہیں، اور سفارشات کے رنگ میں حکومت کو احکام جاری کرتے رہتے ہیں کہ "الاخوان المسلمون" کو کالعدم قرار دیا جائے، اور ارکان جماعت کو سزائیں سنائی جائیں۔

میرے بھائی!

چند مشکلات تو یہ تھیں جو آپ کے سامنے کھول کر رکھ دی ہیں جن سے الاخوان المسلمون کی دعوت دوچار ہے۔ ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کیلئے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے اور ہر چیز سے پہلے اللہ کے فضل اور توفیق کی ضرورت ہے یا یہ کہ اللہ تعالے کوئی مخلص حکمران اس قوم کو نصیب فرمائے جو فی الواقع مجاہد فی سبیل اللہ ہو۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آج سے قبل اور موجودہ اخوانیوں کو ان حالات کا علم ہے اور یہ باتیں ان سے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی وہ ان حالات سے ڈرنے والے تھے، نہیں یہ تو اللہ کی مشیت و مرضی ہے جب چاہے حالات کو سازگار بنا دے اور جب چاہے ناموافق، ہماری امیدوں کا واحد مرکز آج بھی اللہ رب العزت کی ذات ہے اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرتا ہے جو اس کے دین کے غلبہ کے لئے کمر کس لیتے ہیں۔

والحمد للہ رب العالمین

"جو حکومت سراسر غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہو، اس سے کبھی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی، وہ کسی تائید اور حمایت کی مستحق نہیں ہے۔" (اخوان کا سیاسی موقف)

• مولانا ابو بکر اصلاحی
استاذ تفسیر، جامعۃ الفلاح

• سیدہ مشفقہ وقار
طالبہ، کلیۃ البنات

صبح غم
ایک فلاحیہ کی یاد میں

فوزیہ خانم فلاحی (بنت مولانا ابو الاویس اصلاحی) یکم جولائی ۱۹۸۲ء کو پیدا ہوئی۔ بچپن اپنے ماموں مولانا محمد خالد صاحب اعظمی کے یہاں دہلی میں گزرا۔ ابتدائی تعلیم اپنے ننہال پر پائی۔ مکتب درجہ پنجم پاس کرنے کے بعد آئندہ تعلیم کا سوال پیدا ہوا، چونکہ اسے حصول علم دین کا بے پناہ شوق تھا اور اس کے دادا جان (مولانا ابو بکر صاحب اصلاحی) جامعۃ الفلاح میں معلم تھے، اس لئے اس نے جامعۃ الفلاح کے شعبۂ کلیۃ البنات میں داخلے پر اصرار کیا۔ کلیۃ البنات میں دار الاقامہ اور مطبخ کا نظم نہیں تھا، چند اور بچیوں کے سرپرستوں نے ذمہ داران جامعہ سے اصرار کیا کہ ان کی بچیوں کو کلاس روم میں رہ لینے اور اپنے ہاتھوں پکا کر کھانے کی اجازت دے دی جائے۔ ذمہ داران جامعہ نے مجبوراً اجازت دے دی۔ اس طرح سے کلیۃ البنات میں اقامتی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۵ جولائی ۱۹۹۲ء کو فوزیہ خانم کا بھی داخلہ درجہ ششم میں ہو گیا، اور اس نے چند دوسری بچیوں کے ساتھ کلیۃ البنات میں اپنی اقامتی زندگی اور دینی تعلیم کا آغاز کیا۔

ذہانت و فطانت بلا کی تھی اس لئے برابر اچھے نمبروں سے پاس ہوتی رہی یہاں تک کہ ۲۰۰۰ء میں درجہ فضیلت پاس کیا۔ فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن لائی اور ممتاز نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔

فراغت کے بعد کلیۃ البنات (جامعۃ الفلاح) کے شعبۂ اعلیٰ میں تعلیم و تربیت اور تدریس کی خدمت پر مامور ہوئی اور بحسن و خوبی انجام دیا۔ اس کی خوش اخلاقی، خوش مزاجی اور اخلاص و محبت کی وجہ سے سبھی اس سے بے حد مانوس اور اس کی بے حد گرویدہ تھیں کہ وفات کی خبر پہنچتے ہی بچیوں میں ایک کہرام بپا ہو گیا اور معلمات میں غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی۔

تحریر و تقریر کی بہت اچھی صلاحیت تھی، سرائے میر میں خواتین کے اجتماعات میں اپنی تقریر اور درس قرآن و درس حدیث سے کافی [illegible] و اعتماد پیدا کر لیا تھا اور خواتین اس کی آمد کا انتظار کیا کرتی تھیں اور تاخیر ہونے پر اس کی ماں سے بلوانے کا تقاضا کیا کرتی تھیں۔

ایک ہفتے کی مختصر علالت کے بعد ۱۷ جون کا دن گزار کر ڈیڑھ بجے شب میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور اپنے والدین، بھائی بہنوں، خاندان والوں، رشتہ داروں اور تمام ہی متعلقین کو سوگوار چھوڑ گئی۔ اور ۱۸ جون شنبہ کو بعد نماز ظہر تدفین عمل میں آئی۔

فوزیہ خانم اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھی، اس سے چھوٹی تین بہنیں اور تین بھائی ہیں جن میں سے دو بہنیں کلیۃ البنات (جامعۃ الفلاح) کے شعبۂ اعلیٰ میں زیر تعلیم ہیں، دو بھائی مدرسۃ الاصلاح میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور ایک بہن اور ایک بھائی اردو پبلک اسکول سرائے میر میں زیر تعلیم ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ ان سب بھائی بہنوں کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور علم دین کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

آئے اذان دی گئی جاتے ہوئے ہوئی نماز
وقفۂ زندگی رہا کچھ بھی طویل تو نہیں

۱۸ جون ۲۰۰۲ کی صبح کو جب مولانا احسان صاحب اور مولانا اقبال صاحب کی زبانی مجھ کو خبر ملی کہ فوزیہ خانم کا انتقال ہو گیا، یہ تو فوری طور پر میرے دل نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کانوں کو بھی سماعت پر یقین نہ آیا، لیکن خبر رساں ایسے معتبر اشخاص تھے کہ اس اندوہناک خبر پر یقین کرنا ہی پڑا۔ دل سے ایک ہوک اٹھی اور پلکوں کی منڈیر تک آنسو بہہ نکلا اور ہر ایک کا دل اس غم میں ڈوب کر رہ گیا۔

یہ پھول جو کلیۃ البنات میں کھلا ہوا تھا، اس کے گلشن کی زینت بنا رہا، یہاں اپنی خوشبو بکھیرتا رہا، آج منوں مٹی کے نیچے سونے جا رہا تھا تو آج کلیۃ البنات کے در و دیوار کیوں سوگوار ہوتے، در و دیوار اس سے [illegible] انہیں کے سامنے تو اس کے صبح و شام گذرا کرتے تھے۔

ثبات پوچھئے کیا زیست کے فسانے کا
کلی کا دیکھئے انجام مسکرانے کا

فوزیہ جب بچی تھی تب سے میں نے اس کو پڑھایا قریب سے اس کو دیکھا۔ اس کے عادات و اطوار شروع سے ہی بہت سنورے ہوئے تھے کبھی اس کو تعلیمی سلسلے میں کچھ کہنے کی نوبت نہ آئی ہمیشہ ایک باادب طالبہ ثابت ہوئی۔ کم گو ذہین سنجیدہ و متین و ہونہار طالبہ کی حیثیت سے اس نے سب کا دل جیتا ذوق و شوق اور انہماک و توجہ سے حصول علم میں مشغول رہی۔ اور آخر کار فضیلت کی سند حاصل کی۔ پھر تدریسی دور آیا اور ایک معلمہ کی حیثیت سے اپنی مادر علمی کی خدمت کیلئے زندگی کے اسٹیج پر رونما ہوئی۔ اور خدمت دین کی اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل میں لگ گئی۔

تدریسی دور میں بھی کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہ دیا اور ایک فرض شناس معلمہ ثابت ہوئی انتہائی نرم خو، ہمدرد، بچیوں کے لئے شفیق، تو مڈروں کی فرمانبردار ساتھیوں کی ہمدرد و دمساز۔

میری نظروں میں بار بار اس کا چہرہ پرانی یادیں لیکر ابھرتا ہے کبھی جلسہ کے موقع پر سفید کپڑوں میں ملبوس تقریر کرتے ہوئے تو کبھی الوداعی پارٹی میں سب کو بار بار مڑ مڑ کر مٹھائی کھلاتے ہوئے۔ کبھی کلاس روم میں بچیوں کو پڑھاتے ہوئے۔ کبھی پڑھتے ہوئے۔ کبھی کلاس فیلو لڑکیوں کے ساتھ ہنستے مسکراتے ہوئے کبھی ہم سے رخصت ہوتے وقت روتے ہوئے۔ اس کی وہ متورم سرخ آنکھیں تو مجھ کو بار بار یاد آرہی ہیں جب وہ آخری بار سسکتی مگر جا رہی تھی۔

اس زندگی کے ہزار رنگ ہیں اور ہر رنگ میں ہر موڑ پر فوزیہ کی تصویر ایک نیا روپ لئے سامنے کھڑی ہے پھر آخر میں ہم نے اس کو اس موڑ پر بھی دیکھا جہاں سے کوئی واپس نہیں پلٹتا ہے۔ سفید کپڑوں میں لپٹی ہوئی، چہرہ زرد، آنکھیں کھلی ہوئی گویا کہ وہ ابھی سب کا آخری دیدار کر رہی ہو اور پھر ہر ایک کو روتا چھوڑ کر اپنے ابدی مسکن کی طرف چلی گئی اور اپنی انمٹ یادیں چھوڑ گئی۔ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے" انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آئیے ہم سب مالک ارض و سما سے دعا کریں کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں مقام بلند عطا فرمائے اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین! •

پہلی تصنیف

جس زمانے میں سید مودودی "الجمعیت" کے ایڈیٹر تھے، ایک شخص سوامی شردھانند نے شدھی کی تحریک شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے چونکہ اس تحریک کی بنیاد نفرت، دشمنی اور تعصب پر تھی اور اس نے اپنی کتاب میں حضور اکرم کی توہین کی تھی جسے کوئی مسلمان کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے کسی مسلمان نے غیرت ایمانی کے اشتعال میں آکر شردھانند کو قتل کر دیا۔ اس پر پورے ہندوستان میں ایک شور برپا ہو گیا۔ ہندو دین اسلام پر حملہ کرنے لگے اور علانیہ یہ کہا جانے لگا کہ اسلام تلوار اور تشدد کا مذہب ہے۔ سید مودودی اس صورت حال پر بہت رنجیدہ تھے ان کے دل میں اسلام کی محبت اور مسلمانوں کا درد بھرا ہوا تھا۔ اسلام کی خدمت کرنے کیلئے ان کے دل میں بہت اضطراب تھا۔ انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر نے دہلی کی جامع مسجد میں تقریر کی جس میں بڑی دردمندی کے ساتھ انہوں نے اس ضرورت کا اظہار کیا کہ کوشش کوئی شخص اسلام کے مسئلہ جہاد کی پوری وضاحت کرے تاکہ اسلام کے خلاف جو غلط فہمیاں آج پھیلائی جا رہی ہیں، وہ ختم ہو جائیں۔ اس پر سید مودودی کو خیال آیا کہ کیوں نہ میں ہی یہ کام کروں چنانچہ انہوں نے "الجہاد فی الاسلام" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس وقت سید مودودی کی عمر ۲۴ برس تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں ایسی معرکۃ الآرا کتاب آپ کا ایک حیرت انگیز اور عظیم الشان کارنامہ تھا جس پر ہر طرف سے آپ کو داد ملی۔ اس کتاب کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

"اسلام کے نظریہ جہاد اور اس کے قانون صلح و جنگ پر یہ ایک
بہترین تصنیف ہے اور میں ہر ذی علم آدمی کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اس کا
مطالعہ کرے۔"

قیصر رسول پوری

اے میری روح رواں جانِ سخن جانِ غزل
تری فرقت سے ہے بے نور مرا تاج محل
دکھ بھری صبح تجھے درد بھری شام دوں میں
کس سلیقے سے بتا عید کا پیغام دوں میں
عید کی بھی بچھڑی تو کنواری کی طرح
چاند ہے بیوہ کی ٹوٹی ہوئی چوڑی کی طرح
چہرۂ غم پہ مصیبت کا ہو غازہ جیسے
ہو مرے دوش پہ ہر گھر کا جنازہ جیسے
بھیڑیے کاٹ رہے ہیں مرے گھر کے جگر
فرد ہے ہر طرف بیٹھے ہیں شکاری بن کر
اب تو مسجد کے بھی مینار سے اٹھتا ہو دھواں
رام کے راج میں جلتا ہے پجاری کا مکاں
ہند میں ظلم کی آزاد فضا ہے ہر سو
سوئی آغوش ہے اور دودھ کی شیشی میں لہو
ہیں کہاں ظلم کی دیوار گرانے والے
درد پیڑا کی ہے کہاں لاج بچانے والے
ناز بھارت پہ جنھیں ہے ذرا لاؤ انکو
خون ناحق جو ہے وہ دکھلاؤ ان کو
ایسے حالات میں گھر سے کبھی تنہا نہ نکل
اے مری جان تمنا جانِ سخن جانِ غزل
دکھ بھری صبح تجھے درد بھری شام دوں میں
کس سلیقے سے بتا عید کا پیغام دوں میں

***

غزل

سید عقیل بخاری

آنکھوں میں اشک آیا تو ایماں نکھر گیا
ان کی نظر پڑی تو مقدر سنور گیا
موجوں سے جس کی ہوتی تھی سیراب زندگی
دریا وہ تھم گیا وہی دھارا ٹھہر گیا
نازاں ہے جس پہ آج بھی تاریخ زندگی
ایماں کسی کا آگ کو گلزار کر گیا
ہم کیا تجھے دور ہو گئے کیا کچھ خبر نہیں
لگتا ہے گویا اپنا ہر احساس مر گیا
دنیا حسین تو او شہیں لے جائیں ہم کہاں
ایک دن تمہارے غم کے خوں خول سے گزر گیا
قدموں میں کائنات یہ رہتی تھی سرنگوں
لیکن وہ دن گئے وہ زمانہ گزر گیا
تشنہ ہے موج نیل تو رحمت ہے سکوت
کشتی خبر کون یہ دریا اتر گیا

غزل

خلیق اطہر

معرفت محمد ارشاد فوٹو گرافر ... محمد تقی بازار ...

حالات کے بھنور میں سفینے کو ڈال کے دیکھ
تو اپنے شوق دل کو ذرا آزما کے دیکھ
سر دے دیا مگر نہ آنے دی لیکن وفا پہ آنچ
رہ عشق یہ کارنامے بھی اہل وفا کے دیکھ
جینے کی آرزو ہے تو میرا ہے مشورہ
ان آندھیوں میں دل کے دیئے کو جلا کے دیکھ
لہو کو ہٹا کے گھر تو حق کی راہ سے
خنجر چلا کے دیکھ یا تیغ آزما کے دیکھ
فرزانے چل پڑے ہیں دیوانوں کی راہ پر
ہمدم میرے کرشمے یہ اس کی ادا کے دیکھ
نکھرے گی تو یہ گلاب سے دلکش ہے خلیق
اس زندگی کو اور حسین تر بنا کے دیکھ

ڈاکٹر عبدالحکیم
انگریزی ماہنامہ دی جرنل رابطہ عالم اسلامی جدہ

ترجمہ و تلخیص محمد اقبال نجمی
ایم اے، بی ایڈ

سید جمال الدین افغانیؒ

دوسری قسط

عظیم فرانسیسی فلاسفر آئین کے ساتھ گفتگو میں جن خیالات کا اظہار سید افغانیؒ نے کیا اس نے یورپ کے دانشوروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ سید افغانیؒ کے خیالات تاریخی سماجی اور مذہبی موضوع پر بالکل واضح تھے ان کا خیال تھا کہ فرانس اور جرمن برطانیہ اور زار روس کے مقابلہ میں مشرقی عوام کی مدد کریں۔ مگر مولانا کو بہت کم کامیابی ہوئی۔

مولانا کو برطانیہ کے کردار پر جو وہ مصر میں ادا کر رہا تھا بہت تشویش تھی۔ مگر وہ کچھ کرنے سے معذور تھے۔ وہی حال زار روس کے بارے میں تھا۔ جرمنی برطانیہ کے مقابلے میں فرانس کو نظرانداز کر رہا تھا۔ کیونکہ اس وقت کے وزیراعظم برطانیہ لارڈ سلسبری سے شہزادہ بسمارک کے تعلقات اچھے تھے۔

برطانیہ کو جمال الدین افغانیؒ کی عالم اسلام میں مقبولیت کا علم تھا۔ لہٰذا ـــــ برطانوی مصنف، شاعر اور سیاستدان جو افغانیؒ کے دوست تھے برطانیہ نے انہیں کے توسط سے مولاناؒ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ برطانیہ کی خواہش تھی کہ افغانیؒ کے ذریعے خلافت عثمانیہ اور مہدی سوڈانی سے رابطے استوار ہوں کہ مسئلہ سوڈان حل کیا جا سکے۔

اتحاد عالم اسلام

برطانیہ کو سب سے زیادہ پریشانی علامہ افغانیؒ کے اتحاد عالم اسلام کے نعرے سے تھی۔ اس نعرے کو ہندوستان اور سارے عالم اسلام میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ اسی دوران مہدی سوڈانی کی فتح خرطوم اور جنرل گارڈن کی خرطوم میں ہلاکت اور افغانستان میں برطانیہ کی پسپائی نے اسے مجبور کر دیا کہ علامہ افغانیؒ سے رابطہ قائم کرے اور ان کے توسط سے مسائل کا حل تلاش کرے۔ بلنٹ اپنی "گارڈن خرطوم" نامی تصنیف میں وضاحت کرتا ہے کہ افغانیؒ کے توسط سے سوڈان اور افغانستان یا اس کے علاوہ اور اسلامی دنیا کے مسائل علامہ افغانیؒ کی مدد سے حل کیے جا سکتے ہیں۔ برطانیہ نے علامہ افغانیؒ کو سوڈان کا حکمران بنانے کی پیشکش کی اس طرح وہ مہدی سوڈانی سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ علامہ افغانیؒ برطانیہ کی نیت سے واقف تھے۔ انہوں نے رنڈالف چرچل وزیر برائے ہند اور وولف وزیر برائے مصر و سوڈان سے اپنی ملاقات میں کہا "کیا حضرات آپ وزراء سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ کب سے انہیں مجھے یا کسی کو سوڈان کا حکمران بنانے کا حق حاصل ہو گیا۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ حق صرف اور صرف سوڈانی عوام کو حاصل ہے۔" لندن میں قیام کے دوران افغانیؒ کا رابطہ مرحوم سلطان عبدالحمید سے اسمٰعیل جواوات کے ذریعہ قائم رہا۔

وولف اور رنڈالف چرچل کے درمیان بڑا فرق تھا۔ وولف کبھی بھی افغانیؒ کے ساتھ سنجیدہ نہیں رہا۔ اسے ہمیشہ اپنا مفاد عزیز تھا۔ علامہ افغانی بلنٹ کے یہاں مقیم تھے۔ رنڈالف چرچل ان سے ملنے آیا۔ بڑی تفصیل سے باتیں ہوئیں۔ علامہ افغانی نے برطانیہ کی سوڈان مصر پالیسی پر شدید تنقید کی۔ وولف بھی ملنے کیلئے آیا اور افغانی سے وعدہ کیا کہ عالم اسلام کے سارے مسائل پر گفتگو کے وہ استنبول جانے کیلئے آمادہ تھے تاکہ سلطان عبدالحمید سے گفتگو کی جا سکے۔ مگر جب سارے انتظامات استنبول جانے کیلئے ہو گئے تو وولف اکیلا ہی استنبول چلا گیا۔ اور علامہ افغانی کو ساتھ نہیں لیا۔ علامہ افغانیؒ کو اس سے بڑی مایوسی ہوئی۔ مذاکرات بھی ناکام ہو گئے۔ بلنٹ کے

مطابق مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری دولت پر ہے۔ اس طرح ۱۸۸۷ء اور ۱۸۸۹ء میں جو مذاکرات برطانوی ذمہ داروں کو اور افغانیؒ کے درمیان پیرس اور لندن میں ہوئے لا حاصل رہے۔ علامہ افغانیؒ نے برطانوی ذمہ داروں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ زار روس کے خلاف مدد کرے اور مسلمانوں کو برطانیہ کے حق میں جہاد کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد افغانیؒ نے زار روس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ یہ واقعہ ۱۸۸۸ء کا ہے۔

علامہ افغانیؒ کو ایشیائی عوام کی فوجی و اقتصادی کمزوری کا علم تھا۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ زار روس یا کوئی طاقت برطانیہ کے مقابلے ان کی مدد کرے۔ یہی مقصد سیجا شی چند روس جاپان سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔

روس کا کردار

پیرس میں قیام کے دوران جمال الدین افغانیؒ کے تعلقات روسی صحافی اور سیاستداں کاٹکوف سے ہو گئے جو برطانیہ کے شدید مخالف تھے۔ جب کاٹکوف روس واپس گئے تو افغانیؒ کو روس آنے کی دعوت دی تاکہ روسی رہنماؤں اور وزراء سے بات چیت ہو سکے۔ ۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۷ء کے دوران روسی اثرات کا اضافہ ایران میں ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ ایرانی سرحد کے قریب ریلوے لائن بچھانے سے حمل و نقل اور سفر میں آسانی ہو گئی تھی۔

وزیر اعظم برطانیہ لارڈ سلسبری نے روسی اثرات کا مقابلہ کرنے کیلئے وولف کو ایران میں ۱۸۸۸ء میں بحیثیت سفیر مقرر کیا۔ افغانی اس وقت کے ایرانی بادشاہ ناصر الدین شاہ اور وزیر اعظم امین السلطان سے خوش نہیں تھے۔ اس لئے کہ ایران نے برطانیہ کو غیر ضروری مراعات دینی شروع کر دی تھیں۔ دریائے کارون کا کھولنا اور تمباکو کے معاملات میں جو مراعات ایران نے برطانیہ کو دی تھیں اس پر افغانیؒ نے ایک سخت قسم کا مضمون جرمن اخبار میں لکھا۔ جس کا ترجمہ روسی اخبارات میں شائع ہوا۔ روس میں ایرانی شہنشاہ ناصر الدین اور امین السلطان کے خلاف ایک فضا پیدا ہو گئی۔ ناصر الدین شاہ

کے خیال میں افغانیؒ کی روس میں موجودگی ان کے حق میں نہیں تھی۔ ۱۸۸۹ء میں ناصر الدین پیرس جاتے ہوئے روس بھی گئے اور جیسے ہی ناصر الدین شاہ ماسکو سے روانہ ہوئے جمال الدین بھی یورپ کیلئے روانہ ہو گئے۔ دوسری دفعہ میونخ میں ملاقات کی ناصر الدین شاہ نے مولانا کو ایران آنے کی دعوت دی کہ ایران کو مسائل حل کرنے میں مدد دیں اور اعلیٰ عہدہ کی پیشکش کی۔ امین السلطان وزیر اعظم ایران نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ پہلے روس جائیں اور انھیں یہ باور کرائیں کہ مراعات امین کے اقتدار سے پہلے دی جا چکی تھیں۔

امین السلطان نے کہا کہ وہ اس بات کیلئے تیار ہیں اگر روس وزیر اعظم کی رہنمائی کرے کہ برطانیہ کو بالا مراعات کس طرح پُر امن طریقے سے منسوخ کی جا سکتی ہیں۔ افغانیؒ روس اور ایران کیلئے خیر سگالی کا جذبہ لے کر واپس آ گئے۔ مگر اس نے ناکامی کہ ایرانی وزیر اعظم نے افغانی سے ملاقات بھی گوارا نہ کیا۔ اس کی وجہ مبصرین کے نزدیک یہ کہ افغانی نے جو تجویزیں ناصر الدین شاہ کو جمہوری حکومت کیلئے دی تھیں وہ شاہ کو ناقابل قبول تھیں یہ ساری باتیں درحقیقت سفیر برطانیہ کے کامیاب سفارتی کوششوں کی مرہون منت ہیں نتیجے کے طور پر افغانی پر پابندی عائد کر دی گئی اور سات ماہ تک شاہ عبدالعظیم میں رہے۔ شاہ نے ایک غیر معمولی قدم اٹھایا اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سردیوں میں اپنے محافظوں کے ذریعے گرفتار کرا لیا جب کہ افغانیؒ علیل تھے ان کو پابجولاں ایرانی ترکی سرحد تک لیجایا گیا۔ اس ظلم نے افغانیؒ کے پیروؤں میں شدید کرب و اضطراب پیدا کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ افغانیؒ کے ایک مخلص پیرو مرزا رضا کرمانی نے شاہ ناصر الدین کو قتل کر دیا۔ ۱۸۸۷ء میں افغانیؒ کاٹکوف کی دعوت پر روس گئے۔ کاٹکوف کے برطانیہ مخالف منصوبے افغانیؒ کے منصوبوں سے ہم آہنگ تھے۔ ماسکو گزٹ میں افغانی کا یہ قول شائع ہوا کہ "میں نے ماسکو سے اپنا تعلق اس لئے جوڑا ہے کہ ہندوستان کے ۸ کروڑ مسلمان روس پر اعتماد کرتے ہیں۔ انہیں امید ہے کہ روس انہیں تحفظ دیگا اور برطانیہ سے نجات حاصل کرنے میں روس ان کی مدد کرے گا۔"

انھیں دنوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے چھوٹے صاحبزادے مہاراجہ دلیپ سنگھ (۱۸۳۸ء۔۱۸۹۳ء) بھی افغانی سے کاٹکوف کی دعوت پر آئے جنہیں برطانیہ نے معزول کر دیا تھا۔ دلیپ سنگھ نے ہندوستان جانے کی کوشش کی مگر عدن میں روک دیا گیا افغانی اور دلیپ سنگھ نے ملکر اشتہارات نکالے جو عبدالرسول نامی دوسرے افغانی مقیم قاہرہ نے تقسیم کئے۔ تاکہ وسط ایشیا میں کاٹکوف کا منصوبہ (برطانیہ مخالف) کامیاب ہو۔ مگر افسوس کہ ۱۸۸۷ء میں کاٹکوف بیمار پڑے اور فوت ہو گئے۔

کاٹکوف کی موت کے بعد مولانا پیٹرس برگ چلے گئے اور وہاں کاٹکوف کے ایک دوست اور دوسرے روسی افسروں سے ملاقات کی افغانیؒ کو شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا گیا مگر مولانا افغانیؒ نے انکار کر دیا ۱۸۸۸ء میں جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ افغانیؒ نے روس کے ساتھ مل کر ایک عام بحران پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا ہے مگر روس اپنی مالی مشکلات جو کہ ترکی اور روس کی جنگ کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔ اور زار کی لڑکی کی شادی وکٹوریہ کے دوسرے لڑکے الگزنڈر سے ہو جانے کے سبب دونوں شاہی خاندان بہت قریب آ گئے تھے جس کی وجہ سے یہ منصوبہ ناکام رہا۔

برطانیہ اور روس کے خوشگوار تعلقات کا ذکر گریو اس مصنف "ایران وافغانستان برائے ہند" نے ان الفاظ میں کیا ہے "جب زار روس الگزنڈر کی ملاقات برلن میں برطانوی سفیر مورلف سے ہوئی تو اس نے کہا" میں ایران میں برطانیہ سے مفاہمت کا خواہاں ہوں۔ روس اور برطانیہ کے مشترکہ مفادات یورپ میں نہیں ایشیا میں ہیں۔ میں برطانیہ سے ایران میں مفاہمت پیدا کر کے امن و سکون سے رہنا چاہتا ہوں" یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اگر افغانی روس کو برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ پر آمادہ کرنے میں ناکام رہے۔ اب افغانی کیلئے صرف اور صرف "اتحاد عالم اسلامی" ہی کا اصول باقی رہ گیا تھا۔ جس پر وہ اپنی تحریک چلا سکتے تھے۔ فروری ۱۸۹۱ء جب ایران میں پابندی کے بعد افغانیؒ کرمان شاہ پہونچے تو انھوں نے اپنے قریبی دوست "ابن المقرب" سے کہا جب میں عظیم شاہ میں تھا اس وقت میں بیمار تھا۔ شاہ کے

سپاہی زبردستی گھر میں داخل ہو گئے اور سخت سردی میں اتنی عجلت سے مجھے گھر سے کھینچ کر باہر لے آئے کہ مجھے کوٹ تک پہننے کا موقع نہ ملا۔ اور ان کا رویہ اس قدر پر تشدد تھا کہ جب کالر پکڑ کر کھینچنا شروع کیا تو میرا دم گھٹنے لگا۔ اس وقت برفباری ہو رہی تھی مجھے ہر طرح کی اذیتیں دی گئیں مگر باطن بہت مطمئن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایرانیوں کو میری اولوالعزمی کا پتہ لگ جائے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں اپنی اصلاحات مادی اور روحانی کیلئے کیا کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ وحشتناک واقعہ میری کامیابی کیلئے سنگ میل ثابت ہوگا اور ہوا بھی ایسا ہی۔

بصرہ آمد کے بعد افغانیؒ نے ایک شیعہ رہنما جناب حاجی مرزا حسن شیرازی کو لکھا کہ شاہ نے جو مراعات کی پالیسی اختیار کی ہے۔ میرے خیال سے سیاسی اور مذہبی ہر لحاظ سے غلط ہے ایک طرح سے یہ بیرا اندازی کی پالیسی ہے۔ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب علامہ حسن شیرازی نے تمباکو کے خلاف فتویٰ صادر کیا تو مولانا کی تحریر بھی ایک اہم عنصر تھی۔

۱۸۹۱ء افغانیؒ سابق ایرانی سفیر ملکوم خان جن کی ادارت میں "قانون" پرچہ نکلتا تھا سے ملاقات کی اور ایران میں تمباکو کے بحران میں یہ بھی ایک عنصر تھا ۱۸۹۲ء میں مولانا کی ایک تقریر "کنٹمپریری ریویو" میں "ایران میں دہشت کا دور دورہ" کے عنوان سے شائع ہوئی دسمبر ۱۸۹۱ء میں ان کا ایک انٹرویو بھی "پال مال گزٹ" میں شائع ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی روز "نیشنل لبرل کلب" میں انہوں نے تمباکو تحریک اور برطانیہ کی ناقص پالیسی پر زبردست تنقید کی جو برطانوی پریس میں شائع ہوئی۔

ایرانی شاہ ناصر الدین برطانیہ کو جمال الدین افغانی کے پروپیگنڈے اور سخت تقریروں پر متوجہ کرتا رہا۔ ایران نے درخواست کی کہ جمال الدین افغانیؒ کو جلا وطن کر کے ایران کے حوالہ کر دیا جائے۔ مگر برطانیہ قانونی وجوہات کے بنا پر راضی نہ ہوا پھر بھی برطانیہ نے افغانیؒ کے خیالات "ضیاء الخافقین" کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا۔

سلطان ترکی کی خواہش تھی کہ افغانیؒ استنبول تشریف لائیں۔ لندن میں خلافت عثمانیہ کے سفیر رستم پاشا نے مولانا سے رابطہ قائم کیا۔ مگر مولانا چونکہ سلطان پر اعتماد نہیں کرتے تھے اس لئے قبول دعوت سے انکار کر دیا۔ تب سلطان نے اپنے خاص مذہبی معتمد ابوالہدیٰ الصیادی کو آمادہ کیا کہ مولانا افغانی کو استنبول آنے کی دعوت دیں۔ الصیادی نے ایسا ہی کیا۔ اور لکھا کہ جناب افغانیؒ خلیفہ وقت کے مہمان کی حیثیت سے تشریف لائیں۔ مولانا نے یہ دعوت اس امید پر منظور کر لیا کہ ممکن ہے کہ "اتحاد عالم اسلامی" کا اصول بروئے کار لانے کا موقع مل جائے اور دیرینہ خواب کی تعبیر مل جائے۔

۱۸۹۲ء کے موسم گرما میں مولانا افغانی اس امید کے ساتھ استنبول آئے کہ "اتحاد عالم اسلامی" کے سلطان کے تصور کو بروئے کار لایا جائے گا۔ اور اپنے تصور سے ہم آہنگ کریں گے۔ مولانا کا شاندار استقبال ہوا۔ مولانا کو مکان اور ماہانہ اخراجات کیلئے رقم فراہم کی گئی۔ اور شاہی مہمان خانہ سے مولانا کیلئے کھانے کا انتظام ہوا۔

ناصرالدین شاہ نے ناصرالدولہ اپنے سفیر مقیم استنبول کے ذریعہ سلطان ترکی سے افغانیؒ کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور اعلان کیا کہ اگر ترکی نے افغانی کو کوئی اہم خدمت سپرد کی تو ایران خلیفہ سے اپنے تعلقات توڑ لے گا۔ سلطان ترکی نے مولانا سے یہ وعدہ لیا کہ استنبول قیام کے دوران وہ شاہ ایران کے بارے میں اپنی زبان بند رکھیں گے۔ مولانا نے کہا کہ میں تو ناصرالدین شاہ کو لحد میں پہنچا کر ہی دم لیتا مگر بحیثیت خلیفہ آپ کے حکم کا احترام کرتا ہوں اور ناصرالدین کو معاف کر دیا۔

قیام استنبول

استنبول کے قیام کے دوران افغانیؒ اتحاد عالم اسلامی کی کوشش جاری رکھی جو کہ دور عبدالعزیز میں مصر چھینے جانے کی وجہ سے التواء میں پڑ گئی تھی۔ مگر روس ترکی جنگ ۱۸۷۷ء ۔ ۱۸۷۸ء برلن کانگریس کی شرطوں کا نفاذ تیونس پر فرانسیسی قبضہ ۱۸۸۱ء برطانوی تسلط مصر ۱۸۸۲ء اور روسی تسلط مرو پر ۱۸۸۴ء ان کی وجوہات تھیں جنہوں نے علامہ افغانیؒ کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ صرف اتحاد عالم اسلامی کے ذریعہ ہی یورپی سامراج کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ علامہ

افغانی نے عالم اسلامی کو فکر اپنی رہنمائی میں تیار کیا۔ علامہ افغانیؒ ابو مسلم خراسانی کی طرح خلافت اور اسلامی اتحاد کیلئے سلطان ترکی کے گشتی سفیر کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے تھے۔ اس مجوزہ عمل سے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں حرکت پیدا ہو گئی اور افغانستان میں "دارالایمان افغان" کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت کے دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ افغانیؒ اپنی سیاسی ناکامیوں کے بعد جو انہوں نے عالم اسلام اور مشرقی عوام کے نجات کیلئے کی تھی اتحاد عالم اسلام کے ذریعہ مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے اور جہاد پر انہوں نے کافی زور دیا۔

علامہ افغانیؒ کا منصوبہ سلطان ترکی کے منصوبے کے مقابلے میں زیادہ انقلابی تھا اس منصوبہ کی بنیاد ان کے اپنے علم پر تھی جو انہوں نے ذاتی طور سے افغانستان بلوچستان، ہندوستان اور وسط ایشیاء کے مسلم عوام کے ساتھ رہ کر حاصل کیا تھا۔ ان کے ذہن میں مسلم عیسائی جنگوں کی تاریخ بھی تھی۔ ایک خط میں علامہ افغانی لکھتے ہیں کہ میں انہیں یعنی ترکوں کو آواز دوں گا کہ اپنی نسلی برتری کو ذہن میں رکھتے ہوئے علم اسلام میرے کندھوں پر رکھ کر اس کے نیچے جمع ہو جائیں اور گزشتہ ناکامیوں کا بدلہ لیں۔ اس کیلئے انہیں اپنے ذاتی مفادات اور ذاتی اختلافات بالائے طاق رکھ کر اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کرنا ہوگا۔ اور عزم و حوصلہ سے کام لینا ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ظالم امراء اور جابر گورنروں پر بھی شدید تنقید کی اور کہا کہ عوام ان ظالم اور جابر امراء کے سامنے نہیں بلکہ اپنی ایمانی بقا اور تشخص کیلئے تگ و دو حیات جنگ کریں گے۔

علامہ افغانی کا خیال تھا کہ عالم اسلام کی موجودہ خرابیوں کی اصلاح کی جائے اور ۱۳ سو سال پرانے اصولوں کا احیاء ہو۔ وہی اصول ہماری بقا کے ضامن ہیں۔ علامہ افغانی اپنے کو امام غزالیؒ اور ابن خلدون کے پایہ کا رہنما سمجھتے تھے۔ ابن خلدون نے بھی اسلام کی نشاط ثانیہ کا خواب دیکھا تھا مگر خواب کی تعبیر سے پہلے ہی مصر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ علامہ افغانی مصر میں قیام کے دوران ابن خلدونؒ کی قبر پر جایا کرتے تھے۔ اور شاید ان کی روح کو یقین دلاتے تھے کہ جو خواب آپ نے دیکھا تھا اس کی تعبیر سامنے

ہے۔ علامہ افغانیؒ علامہ ابن خلدون سے بہت متاثر تھے۔

افغانی نے اتحاد عالم اسلام جیسے عظیم مقصد کیلئے خلیفہ کی طرف سے ۵ سو سے زائد خطوط اس وقت مسلم دانشوروں اور علماؤں کو لکھا۔ کچھ حوصلہ افزا جواب اور خلیفہ کیلئے تحائف بھی ملے ان میں امیر افغانستان عبدالرحمٰن بھی تھا۔

سلطان عبدالحمید ان حوصلہ افزا جوابات سے اس قدر خوش تھے کہ انہوں نے علامہ افغانی کے ساتھ اظہار عقیدت کیلئے معانقہ کیا اور پیشانی کا بوسہ دیا۔ مگر اس روز افزوں مقبولیت نے "ابوالہدیٰ" جو پہلے ہی سے حسد میں مبتلا تھے اور اضافہ کر دیا ساتھ ہی ساتھ ایرانی اور برطانوی سفراء بھی بہت متردد ہوئے اور سلطان کو یہ کہہ کر ورغلانے کی کوشش کی کہ افغانی اقتدار کے بھوکے ہیں۔ مگر یہ بات درست نہیں افغانی نے اپنی پوری زندگی میں خطابات اور القابات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ سوڈان کی حکومت بھی انہوں نے ٹھکرا دی تھی۔ عبداللہ ندیم مصری مصنف خطیب اور قوم پرست شاگرد علامہ افغانی کے ان کے مقاصد کے حصول میں معاون تھے علامہ افغانی نے ایران اور عراق کے شیعہ علماء سے یہ درخواست کی کہ امت کے مفادات کیلئے سلطان کا ساتھ دیں۔ یہ تجویز بہت حد تک قبول بھی کی گئی۔ علامہ افغانی کی کامیابیوں اور دربار خلیفہ میں ان کے اثر و رسوخ نے ابوالہدیٰ کو مزید تشویش میں مبتلا کر دیا۔ انہیں دنوں آرمینیا میں بغاوت ہو گئی۔ اور فوج کے نوجوانوں میں بے چینی پیدا ہو گئی ابوالہدیٰ نے ان شورشوں میں علامہ افغانی کو ملوث کر دیا اور نیا مصری خدیو جب افغانی سے ملنے استنبول آیا تو خلیفہ اور شک میں مبتلا ہو گیا۔ افغانیؒ نے مدینہ کے سرپرست عبداللہ کو اپنے گھر میں چھپایا اور مصری خدیو عباس حلمی کے ساتھ مصر جانے میں مدد کی ان ساری باتوں نے عثمانی ولی عہد کو ناراض کر دیا۔ مندرجہ بالا عناصر اور ابوالہدیٰ کی شرارتوں نے خلیفہ اور افغانی کے مابین غلط فہمی کی خلیج کو وسیع کر دیا۔

۱۸۹۶ء میں سلطان ناصر الدین ایرانی کا قتل خلیفہ اور افغانی کے تعلقات کا آخری دن تھا جس کا قتل علامہ کے رفیق مرزا رضا نے کیا تھا۔ سلطان نے [illegible] مقتول

میں افغانی کو نظر بند کر دیا حالانکہ افغانیؒ نے برطانوی سفارت خانہ کو افغان شہری کی حیثیت سے تحفظ کی درخواست کی۔ اس سلسلے میں جانچ کا تذکرہ بھی ہے۔ مگر بعد میں افغانیؒ نے استنبول چھوڑنے کا ارادہ بدل دیا۔ ایران حکومت ناصر الدین کے قتل میں علامہ افغانیؒ کو ملوث کر کے انتقام لینا چاہتی تھی۔ تاکہ ان پر قتل کا مقدمہ چلایا جائے حالانکہ علامہ افغانیؒ نے اس بات سے قطعی انکار کیا کہ ان کا مرزا رضا کے اس کام میں کسی طرح کا تعاون تھا۔ ایرانی حکومت نے ترکی سے درخواست کی کہ علامہ افغانیؒ ان کے سہ رفقاء کا مرزا آقا خان کرمانی شیخ احمد روحی اور خبیر الملک کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے افغانی کی افغان شہریت کی وجہ سے انہیں ایرانی حکومت کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر ان کے سہ رفقاء کو ایران کے حوالے کر دیا گیا۔ بعد میں تبریز پہنچتے ہی قتل کے الزام میں پھانسی پا گئے۔ ایرانی سفیر نے تہران سے ایک تار اس مضمون کا بھیجا کہ استنبول میں ایرانیوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ افغانیؒ کو قتل کر دیں۔ مگر مظفر الدین شاہ نے اپنی تحریر میں اس کے حاشیہ پر لکھا کہ "میرے نزدیک یہ غلط بات ہو گی۔"

آخری ایام

"انا للہ و انا الیہ راجعون"

اب افغانیؒ سے کسی کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ڈاکٹروں کی اطلاع کے مطابق وہ کینسر میں مبتلا ہیں۔ مرض کی اطلاع کے بعد افغانی ویانا بغرض علاج جانا چاہتے تھے۔ مگر خلیفہ نے دونوں درخواستیں نامنظور کر دیں۔ شاہی طبیب نے معائنہ کیا اور علاج تجویز کیا آپریشن میں ان کا نچلے کا جبڑا اور دانت نکال دیئے گئے۔ مشرقی عوام کا مسیحا خلیفہ کے سنہرے قید خانہ میں بے بس پڑا ہوا تھا۔

۹ مارچ ۱۸۹۷ء دوپہر بعد کا وقت جب باسفورس کی ہوائیں ان کے چہرے کو فرحت بخش رہی تھی اور مسجد ایا صوفیہ سے اللہ اکبر کی صدا استنبول میں گونج رہی تھی

اس عظیم مجاہد، سپاہی، بے باک سیاسی رہنما نے اپنے وفادار نوکر "گرگی کوچی" کی گود میں اپنی جان آفریں کے سپرد کر دی۔

"عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا"

علامہ کو استنبول کے شیوخ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ لاتعداد لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی بعد میں ان کی میت کو وطن لانے سے قبل امریکی دوست "کرین" نے ایک مقبرہ تعمیر کرا دیا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ افغانی کو اپنی زندگی میں اپنی کامیابیاں دیکھنی نصیب نہ ہوئیں۔ مگر جو پودا انہوں نے نیک نیتی سے نصب کیا تھا، تناور درخت بن گیا اور خلیج بنگال سے بحیرۂ ساحل اٹلانٹک تک لوگ اس کے فوائد سے مستفید ہوئے۔ ان کے بیشتر رفقا کار اپنے ملکوں کے سالار بنے۔ انہوں نے جو کچھ افغانستان میں اپنے شاگرد اعظم خاں کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا تھا ۴۴ سال بعد امیر امان اللہ خان کے دور حکومت میں حاصل ہوا۔ امان اللہ خان ۱۹۲۸ء میں جب مصر کے دورے پر گئے تو افغانی کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا اور سعد زغلول مرحوم کی بہ حیثیت بابائے جدید مصر کی وفات پر تعزیت کی۔ سعد زغلول علامہ افغانیؒ کے پیرو تھے۔ ترکی میں نامک کمال نے دینی اصلاحات میں کامیابی حاصل کی۔ ایران میں بھی ویسی ہی کچھ ہوا۔ ہندوستان میں اقبالؒ، مولانا آزاد، گاندھی جی اور راجہ مہندر پرتاپ روحانی پیشوا تھے۔

بلاشبہ علامہ افغانی عرب دنیا کے مسیحا اور ایشیائی اتحاد کے سچے اور عظیم علمبردار تھے۔ ان کا وقار جہاں مسلم دنیا میں ہے وہیں یورپ نے بھی افغانیؒ کو عزت بخشی گو وہ نسلاً افغانی تھے مگر سارا ایشیا ان کو اپنا سمجھتا تھا۔

علامہ افغانیؒ کی شخصیت منفرد ہے وہ ۱۹ویں صدی کے تاریک دور میں ایک عظیم استاد کی حیثیت سے یکتائے روزگار ہیں۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمن رافت پاشا

ترجمانی: ابو جاوید

حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ

وہ پراگندہ مو، نحیف نزار، چھریرے بدن کے مالک تھے، بظاہر ان کی شخصیت میں کوئی کشش نہ تھی۔ دیکھنے والے ان کے اوپر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر اپنی نگاہ پھیر لیتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شجاعت و جواں مردی کا یہ حال تھا کہ جنگ مغلوبہ میں دشمن کی کثیر تعداد کو قتل کرنے کے علاوہ انہوں نے انفرادی جنگ میں ایک سو مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہ تلوار کے دھنی، نہایت شجیع اور جنگ کے وقت آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والے تھے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مختلف صوبہ جات کے گورنروں کو یہ حکم دیا تھا کہ انہیں لشکر مجاہدین کے کسی دستے کی قیادت پر مامور نہ کیا جائے کیونکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اپنے اقدام کے ذریعہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں گے۔

یہ ہیں خادم رسول ﷺ حضرت انسؓ کے بھائی حضرت براء بن مالک انصاریؓ۔ ان کی جرأت و شجاعت کے کارنامے اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو بیان کرنے لگیں تو سلسلۂ بیان دراز اور وقت تنگ ہو جائے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلیرانہ کارناموں میں سے صرف ایک کا ذکر کر دیا جائے جو ان کے دوسرے کارناموں پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہو۔

اس کہانی کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور آپ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ جب عرب قبائل بڑی تعداد میں دین اسلام کو چھوڑ کر اس سے اسی طرح نکل رہے تھے جس طرح وہ فوج در فوج اس میں داخل ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ مکہ، مدینہ، طائف اور ادھر ادھر کے چند قبائل کے سوا جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے ایمان پر جما دیا تھا، کوئی اسلام پر باقی نہیں رہ گیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ان ہلاکت خیز اور تباہ کن فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور ان کے استقبال کے لئے بلند اور مضبوط پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے۔ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے مہاجرین و انصار میں سے گیارہ لشکر ترتیب دیئے اور ان کے لئے گیارہ جھنڈے تیار کر کے ان کے قائدین کے حوالے کر دیئے

ہوئے انھیں جزیرۂ عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا تاکہ وہ مرتدین کو حق و ہدایت کی راہ پر واپس لائیں اور دینِ حق سے منحرف ہونے والوں کو زورِ شمشیر جادۂ حق کی طرف پلٹ آنے پر مجبور کریں۔ مرتدین میں مسیلمہ بن حبیب کذّاب کو تقلید و تصنیف کثرتِ تعداد، جنگی مہارت اور شجاعت و دلیری کے لحاظ سے سب سے زیادہ ”نمود“ حاصل تھا۔ مسیلمہ کی جرأت و تائید کے لیے اس کے اپنے قبیلے اور اس کے حلیف قبائل کے چالیس ہزار جنگجو اکٹھا ہوئے تھے۔ ان کی کثرت نے مسیلمہ پر ایمان لانے کے بجائے محض قبائلی عصبیت کی بنا پر اس کی پیروی اختیار کی تھی۔ ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ جھوٹا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں مگر ربیعہ کا کذاب (مسیلمہ) مضر کے صادق (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے میں ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

مسیلمہ نے مسلمانوں کے پہلے لشکر کو، جو اس سے لڑنے کے لیے حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل کی قیادت میں نکلا تھا شکست دے کر الٹے پاؤں واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کی جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں دوسری فوج روانہ کی جس میں انھوں نے انصار و مہاجرین میں سے بڑے بڑے صحابہ کرام کو جمع کر دیا تھا۔ اس فوج کے ہراول میں حضرت براء بن مالک انصاریؓ اور کچھ دوسرے بہادر اور جانباز مسلمان مجاہدین شامل تھے۔

دونوں فوجیں نجد میں یمامہ کے مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرائیں اور جنگ شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد مسیلمہ اور اس کے حامیوں کا پلڑا بھاری ہونے لگا اور مسلمانوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلی اور وہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ کے حامیوں نے آگے بڑھ کر حضرت خالد بن ولید کے خیمے پر حملہ کر دیا اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اگر بنو حنیفہ کے ایک شخص [illegible] تو انھوں نے ان کی بیوی (حضرت ام تمیم) کو قتل ہی کر دیا ہوتا۔ اس وقت مسلمانوں کو بدرستی خطرے کا احساس ہوا۔ انھوں نے نہایت شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کیا کہ اگر وہ مسیلمہ سے شکست کھا جاتے ہیں تو آج کے بعد نہ تو دینِ اسلام کی حمایت کا ارادہ رکھنے والا کوئی رہے گا اور نہ جزیرۂ عرب میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش ممکن ہوگی۔ یہ احساس ہوتے ہی حضرت خالد بن ولیدؓ نئے سرے سے اپنی فوج کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کی اس طرح از سرِ نو ترتیب قائم کی کہ مہاجرین کو انصار سے اور بادیہ نشین قبائل کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور ہر قبیلے کے افراد کو انھیں میں سے کسی کی قیادت میں منظم کیا تاکہ جنگ میں ہر ایک

فوجی کی کارکردگی کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان فوج کس محاذ پر کمزور پڑ رہی ہے۔

دونوں فوجوں میں ایسی سخت اور خونریز جنگ برپا ہوئی کہ اس سے قبل مسلمانوں کی جنگ کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں گزری تھی۔ مسیلمہ کی قوم نے میدانِ جنگ میں غیر معمولی ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا۔۔۔ معرکۂ کارزار میں مضبوطی سے جمے رہے اور انھوں نے اپنے مقتولین کی کثرت کی کوئی پروا نہیں کی۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنے حوصلے پست ہونے دیے نہ ان کے قدموں میں لغزش ہوئی۔ مسلمان مجاہدین نے بھی حیرت انگیز بہادری اور بے مثال جواں مردی کے مظاہرے کیے اور جرأت و شجاعت کے ایسے ایسے شاندار اور فقید المثال کارنامے انجام دیے کہ اگر ان کو یکجا کر کے مرتب کر دیا جائے تو ایک لاجواب رزمیہ وجود میں آ جائے۔

یہ ہیں انصار کے علمبردار حضرت ثابتؓ بن قیس۔ وہ اپنے جسم پر حنوط لگاتے ہیں، کفن پہنتے ہیں اور زمین میں گڑھا کھود کر اس میں پنڈلیوں تک اتر کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اپنی جگہ پر جم کر لڑتے ہیں، اپنے قبیلے کے جھنڈے کی حفاظت کرتے ہیں اور لڑتے لڑتے شہید ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہیں عمر فاروقؓ کے بھائی حضرت زید بن خطابؓ، جو مسلمانوں کو للکار رہے ہیں ”لوگو! دشمن پر کاری ضرب لگاؤ اور اس کو مارتے کاٹتے آگے ہی بڑھتے رہو۔ لوگو! میں اس کے بعد سے اس وقت تک کوئی بات نہ کروں گا جب تک مسیلمہ کو شکست نہ ہو جائے یا میں خدا کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو جاؤں تاکہ وہاں اپنی معذرت پیش کر سکوں۔“ پھر انھوں نے دشمن پر ایک زبردست حملہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش فرما لیا۔ اور یہ ہیں حضرت ابو حذیفہؓ کے موالی، حضرت سالمؓ۔ مہاجرین کا علم ان کے ہاتھ میں ہے۔ ان سے متعلق مہاجرین کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ان کی طرف سے کسی کمزوری یا پسپائی کا اظہار نہ ہو تو انھوں نے کہا ہم کو خطرہ ہے کہ کہیں آپ کی طرف سے دشمن ہمارے اوپر حملہ نہ کر دیں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ”اگر میری طرف سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار ہو اور دشمن میری طرف سے تمہارے اوپر حملہ کرنے کی راہ پا جائے تو میں بدترین حاملِ قرآن ٹھہروں گا۔“ یہ کہہ کر وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے لیکن جواں مردی اور شجاعت کے یہ سارے کارنامے حضرت براء بن مالکؓ کی دلیری و شجاعت کے آگے ہیچ ہیں۔

جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے جنگ کے شعلوں کو تیزی سے بھڑکتے ہوئے دیکھا تو حضرت براء بن مالک کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے ”انصاری نوجوان! دشمن پر حملہ کر دو۔“

تو حضرت براء بن مالکؓ نے اپنے قبیلے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"انصار کے لوگو! تم میں سے کوئی شخص مدینہ واپس لوٹنے کی بات نہ سوچے۔ آج کے بعد تمہارے لئے مدینہ نہیں ہے۔ آج تو صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی رضا کی طلب ہے اور ...... اور پھر جنت ہے۔" پھر انھوں نے مشرکین پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں ان کے قبیلے کے لوگوں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ صفوں کو چیرتے، شمشیر زنی کے جوہر دکھاتے اور دشمنوں کی گردنوں پر اپنی تلوار آزماتے رہے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ اور اس کے سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور انھوں نے بھاگ کر اس باغ میں پناہ لی جو اس کے بعد تاریخ میں "حدیقۃ الموت" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس لئے کہ اس روز اس باغ میں بہت کثیر تعداد میں لوگ قتل ہوئے اور دشمنوں کے پشتے لگ گئے تھے۔

"حدیقۃ الموت" ایک بہت وسیع و عریض باغ تھا اور اس کی فصیلیں نہایت بلند و بالا تھیں۔ مسیلمہ اور اس کے ہزاروں ہمنواؤں نے اس میں پناہ لینے کے بعد اس کے دروازے اندر سے بند کر لئے اور اس کی اونچی دیواروں کے پیچھے خود کو محفوظ کر لیا اور اندر سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ اس وقت اسلام کے جانباز اور بہادر فرزند حضرت براء بن مالکؓ آگے بڑھے اور بولے کہ لوگو! مجھے ڈھال پر بٹھا کر نیزوں کے سہارے اوپر اٹھاؤ اور دروازے کے قریب باغ کے اندر پھینک دو تاکہ یا تو میں شہادت کا درجہ حاصل کر لوں یا تمہارے لئے دروازہ کھول دوں۔ حضرت براءؓ نہایت ہلکے پھلکے اور دبلے پتلے تھے۔ وہ فوراً ایک ڈھال پر بیٹھ گئے اور دسیوں نیزوں نے انھیں اوپر اٹھا لیا اور ان کو حدیقۃ الموت کے اندر مسیلمہ کے ہزاروں فوجیوں کے درمیان پھینک دیا گیا۔ اندر پہنچتے ہی وہ دشمنوں کے اوپر بجلی بن کر گرے۔ وہ دروازے کے پاس برابر لڑتے رہے اور ان کی گردنیں تلوار سے قلم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے دس آدمیوں کو قتل کر دیا اور دروازہ کھول دیا۔ اس وقت ان کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے اسّی سے اوپر زخم تھے۔ مسلمانوں نے دیواروں اور دروازوں کے راستے حدیقۃ الموت پر دھاوا بول دیا اور اس میں پناہ لینے والے مرتدین کو اپنی تلواروں کی دھار پر رکھ لیا اور تقریباً بیس ہزار مشرکین کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد مسیلمہ تک پہنچ گئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت براءؓ کے زخموں کا علاج کرنے کے لئے ان کو خیمے میں اٹھا کر لایا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ان کے علاج کے سلسلے میں ایک ماہ تک ان کے پاس ٹھہرے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شفائے کامل سے نوازا اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں کو شاندار فتح عنایت فرمائی۔

حضرت براء بن مالکؓ اس دولتِ شہادت کو پانے کی حسین آرزو کو ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رہے اور برابر اس کی جستجو میں سرگرداں رہے جو حدیقۃ الموت کے دن ان کو حاصل ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ وہ اپنے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے سرفراز ہونے کے لئے یکے بعد دیگرے بہت سے معرکوں میں شریک ہوئے اور ان میں خطرناک ترین مواقع پر پہنچ کر لڑتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا جب مسلمانوں نے ایران کے مشہور شہر "تُستَر" کو فتح کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ تستر ایک نہایت مستحکم و مضبوط قلعے میں پناہ گیر ہو گئے اور مسلمانوں نے اس کو چاروں طرف سے اپنے محاصرے میں لے لیا۔ جب محاصرہ کا یہ سلسلہ کافی طویل ہو گیا اور اہلِ ایران کی پریشانیاں حد سے بڑھ گئیں تو وہ قلعہ کی فصیلوں سے لوہے کی زنجیریں لٹکانے لگے جن کے سروں پر فولادی آنکس بندھے ہوئے تھے جن کو آگ میں تپا کر انگاروں کی طرح سرخ کر دیا جاتا۔ وہ نوکیلے اور دہکتے ہوئے آنکس مسلمانوں کے جسموں میں دھنس جاتے اور وہ ان میں پھنس کر رہ جاتے اور اہلِ ایران اوپر سے زنجیروں کے ذریعہ ان کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ ان آنکسوں میں پھنس کر مسلمان یا تو موت کے گھاٹ اتر جاتے یا قریب المرگ ہو جاتے تھے۔ انہی میں سے ایک آنکس حضرت براءؓ کے بھائی حضرت انسؓ بن مالک کے جسم میں دھنس گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت براءؓ قلعے کی دیوار کی طرف لپکے اور جھپٹ کر اس زنجیر کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا جو ان کے بھائی کو اٹھائے جا رہی تھی۔ وہ اس کو اپنے بھائی کے جسم سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کوشش میں ان کے دونوں ہاتھ بری طرح جل گئے مگر انھوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے بھائی کو اس آنکس کی گرفت سے چھڑائے بغیر زنجیر کو اپنے ہاتھوں سے نہیں چھوڑا۔ بھائی کو نجات دلانے کے بعد وہ زمین پر گر پڑے۔ اس وقت ان کے ہاتھوں کا سارا گوشت جل چکا تھا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔

اس غزوے کے موقع پر حضرت براء بن مالکؓ نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو نعمتِ شہادت سے بہرہ ور کرے۔ ان کی یہ دعا بارگاہِ رب العزت میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوئی اور ان کی وہ دیرینہ تمنا پوری ہو گئی جس کو وہ مدتوں سے اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ وہ میدانِ جنگ میں شہید ہو کر گرے اور دیدارِ خداوندی کی بیش بہا اور لازوال نعمت سے سرفراز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے چہرے کو جنت میں شگفتہ اور تر و تازہ رکھے اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ اللہ ان سے راضی ہو جائے اور ان کو خوش کر دے۔ آمین۔ ●●

کریملن کے حکمران احیائے اسلام کی تحریک کو کچلنے کیلئے منصوبہ بندی میں مصروف ہیں،

رفیق افغان

روس کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی لہر

دینی لٹریچر کی تیاری و اشاعت، خفیہ طور پر مدارس کا قیام، درس قرآن و حدیث اور اجتماعات کا انعقاد

۱۹۱۷ء کے کمیونسٹ انقلاب کے فوراً بعد وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے اسلامی تشخص کی پامالی اور انہیں مکمل طور پر "روسیانے" کی مہم عملاً روسی نظام معاشرت کا جزو لاینفک بن گئی ہے۔ مذہبی اقدار کو رجعت پسندانہ قدروں کے حوالے سے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے وقت تان اسلام پر ہی ٹوٹتی ہے۔ تمام ذرائع ابلاغ "انقلاب" کے ۷۰ سال بعد بھی اسلام کو اپنے لئے "زندہ خطرے" کی علامت تصور کرتے ہوئے مسلسل اس کی بیخ کنی کے درپے ہیں۔

وسط ایشیا کی سابق مسلم ریاستوں کے باشندوں کے لئے جو اب یونین آف سوویت سوشلسٹ ریپبلک کا حصہ ہیں، ان ملکوں کا گزشتہ عہد زریں ایک بھولے بسرے خواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ایسا خواب جو انہیں اپنے اسلاف کے رفیع الشان کارناموں، علمی و دینی اداروں اور صدیوں کی عرق ریزی سے کشید شدہ تہذیب و تمدن کی یاد دلاتا ہے۔

ذہنوں پر نقش ان اثرات کو مٹانے اور نئی نسلوں کو مکمل طور پر اسلام سے برگشتہ کرنے کی مہم کی تفصیلات بہت خوں چکاں اور دل ہلا دینے والی ہیں۔ اس کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ مسلمانوں سے نہ صرف یہ کہ ان کی سیادت و قیادت، آزادی اور حریت فکر چھینی گئی بلکہ ان کی تہذیب و تمدن، سماج، زبان، رسم الخط، مذہبی آزادیوں اور نظام معیشت سے بھی محروم کر دیا گیا۔

ان تمام اقدامات کے باوجود وسط ایشیا کے وسیع میدانوں میں اسلام اب دوبارہ ایک متحرک نظریاتی قوت اور نظام حیات کے طور پر نمو پا رہا ہے۔ روس سے علیحدہ کر رہنے کی ہر سعی بار بار کی کوشش نقش بر آب ہوتی بھی جا رہی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے مغربی دنیا کے بعض اہم دانشور (جن میں

سابق امریکی مشیر برژنسکی بھی شامل ہیں) جو سرمایہ دارانہ نظام کو "کمیونزم" کے خطرے کے مقابلے میں تحفظ دے رہے اور جو بھی درست پاتے ہیں، اب اس بات کے قائل ہوتے جا رہے ہیں کہ کمیونسٹ نظام کا جاندار مقابلہ فقط اسلام کی نظریاتی قوت کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثالیں وسط ایشیا میں اسلامی تشخص کا احیاء اور افغانستان میں کمزور و بے مایہ افغان ملت کی روس کے بالمقابل پامردی اور استقامت سے لڑی جانے والی جنگ کے حوالے سے دی جاتی ہیں۔

وسط ایشیا میں اسلام کے احیائے نو کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو بعض حیرت انگیز پہلو سامنے آتے ہیں مثلاً وسط ایشیا کا علاقہ دنیا کے ان چند خطوں میں شامل ہے جہاں خوشگوار آب و ہوا، سادہ طرز معاشرت اور جفاکش طرز زندگی کی بدولت مقامی باشندوں کی اوسط عمری میں اضافے کا تناسب سب سے زیادہ ہے چنانچہ وہ نسل جو ابھی انقلاب آزادی کی برکات سے فیض یاب ہوتی رہی اور شعور کی آنکھوں سے کمیونزم کی آمد اور مقاومت کی حرکات ملاحظہ کرتی رہی۔ اگلی دو نسلوں کو روایات سینہ بہ سینہ منتقل کرنے اور مسلمانوں کا عظیم الشان ماضی ایک خواب کی صورت میں منعکس کرنے میں کامیاب رہی۔ مضبوط خاندانی اور بڑے مشترکہ خاندانی نظام اور بزرگوں کے لئے روایتی احترام کی مستحکم قدروں نے اس تسلسل کو تواتر سے قائم رکھا چنانچہ آج کٹر کمیونسٹ قسم کے مسلمان بھی روزمرہ کے معاملات میں مذہبی رسوم کی ادائیگی (جن میں پیدائش پر اذان، نکاح و طلاق، عیدین، دوسرے روزے کی تقریبات سے متعلق مذہبی طور طریقے شامل ہیں) کی پوری طرح پابندی کرتے ہیں۔

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں رائج مقامی زبانوں کا رسم الخط عربی رسم الخط کو ختم کر کے روسی رسم الخط اور حروف تہجی میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ یہ حرکت آئندہ آنے والی نسلوں کو ان کے تہذیبی ورثے اور دیار آزادی میں مروجہ تعلیمی نظام، وسیع اور متنوع لٹریچر اور عالم اسلام سے جڑے ہوئے مذہبی، تمدنی اور تہذیبی رشتوں کو کاٹ دینے پر منتج ہوئی لیکن عملاً اس کا ایک خوشگوار پہلو اس طرح سامنے آیا کہ مسلمان علاقوں میں ہر قبیلے اور خطے کی جداگانہ بولی اور رسم الخط کے سبب دعوت دین کے کام میں ابلاغ کو درپیش مشکلات زیادہ نیز تمام مقامی زبانوں میں دینی لٹریچر کی تیاری کا کام زیادہ دشوار تھا۔ اگرچہ قبل از انقلاب دینی مدارس اور تعلیم یافتہ حلقوں میں عربی عام طور پر بولی، سمجھی اور پڑھی جاتی تھی لیکن وہ روزمرہ کی زبان نہیں تھی۔ اب پورے سوویت یونین میں ایک ہی رسم الخط کے رائج ہونے اور ہر علاقے کے باشندوں کے لئے اسے سمجھ لینے کے سبب دینی لٹریچر کی تیاری، اس کی تقسیم و ترسیل اور زیر زمین اجتماعات میں تقاریر و درس قرآن و حدیث

دو بچوں کے لیے خفیہ طور پر قائم کیے گئے مدرسوں کے لیے نصاب تعلیم کی تیاری اور عام مسلمانوں سے اس کے رابطہ ہونے کے ذریعے میں بڑی مدد ملی ہے اور اس کے نتیجے میں روس میں موجود تحریک اسلامی کا کام تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ بات محل نظر ہے کہ افغان جہاد نے روس کی تحریک اسلامی کی فروغ کے عمل میں CATALYST (عمل انگیز) کا کام انجام دیا ہے۔ یہ عمل دو صورتوں میں انجام پا رہا ہے۔

(الف) اس جہاد کی بدولت جہاں روس کی جبر و قوت کا طلسم ٹوٹا وہاں وسط ایشیا کے مسلمانوں پر قائم جمود، قنوطیت اور احساس تنہائی کو ختم کرنے میں بھی نمایاں مدد ملی ہے۔ افغان ملت کی کسمپرسی اور بے مائیگی سب پر عیاں تھی لیکن وسائل سے محرومی کے باوجود اس نے جس جرات و پامردی سے کمیونزم کا مقابلہ کیا اس نے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں حوصلے، ولولے اور امنگ کی نئی لہر دوڑا دی۔ اب ان میں بھی یہ تاثر جڑ پکڑتا جا رہا ہے کہ اگر افغان قوم کچھ کر سکتی ہے تو وہ کیوں نہیں کر سکتے۔

(ب) افغان جہاد خود افغانستان کی سرحدوں کو عبور کر کے روسی حدود میں داخل ہو گیا اور مجاہدین کی ترکتازیوں نے روسی حدود میں قائم تنصیبات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے چنانچہ وہاں کے مقامی مسلمانوں پر جہاں ایک طرف روسی جنگی حکمت عملی کی خامیاں اور تضادات واضح ہوئے وہاں مجاہدین سے ربط و ضبط اور مستقل تعلق میں بھی اضافہ ہوا۔ اسی تعلق کے نتیجے میں دینی لٹریچر، کتابوں اور رسالوں کی ترسیل پر مبنی ایک ایسا نظام وجود میں آ گیا جس کی موجودگی کا اعتراف روسی خود کرتے ہیں لیکن اس کے انسداد میں خود کو بے بس پاتے ہیں۔ ادھر خود مجاہدین کا یہ عالم ہے کہ آٹھ سال کی جدوجہد نے انھیں ہر قسم کے نامساعد حالات میں جینا اور مزاحمت کرنا سکھا دیا ہے۔ ع

منم آں قطرۂ شبنم بنوک خار می رقصم

سو سال طویل روسی افغان سرحد کو کسی بھی جگہ سے عبور کر کے روسی حدود میں داخل ہونا اور اپنا کام مکمل کر کے واپس آ جانا ان کے لیے خاصا آسان ہے۔ دوسری طرف افغانستان میں روسی افواج کی موجودگی اور اس کے بے محابا نقصانات کے سبب اندرون روس بے چینی بھی روسی انتظامیہ کی کمزوری کا سبب بن گئی ہے تازہ ترین اطلاعات کے مطابق وہ افغان طالب علم جو افغان کمیونسٹ انتظامیہ اور روسی حکومت کی ملی بھگت سے "اعلیٰ تعلیم" کے حصول کے لیے روس گئے ہیں، روسی مسلمانوں کے قہر و غضب اور نفرت و عناد

کا شکار ہیں۔ نوبت با اینجا رسید کہ کئی افغان طالب علم روس کے اندر لاپتہ ہو گئے ہیں اور ان کا کوئی سراغ نہیں مل رہا ہے۔ افغان کمیونسٹوں کے لیے نفرت و حقارت کا یہ تحفہ صرف روسی مسلمانوں کی جانب سے ہی نہیں بلکہ عام روسی بھی اس میں برابر کا شریک ہے کیونکہ وہ اپنے لڑکوں کی افغانستان میں ہلاکت، معذوری اور لاپتہ ہونے کا سبب انہیں افغان کمیونسٹوں کو گردانتے ہیں۔

روس میں مسلمانوں کے صوفی طریقوں اور مذہبی معاملات میں ان کی دلچسپی کے شر کی ایک خبر "سوویت ازبکستانی" نے اپنی ایک اشاعت میں ازبکستان کے علاقے ونجان آباد کے رہنے والے ایک ایسے کمیونسٹ پارٹی کے عہدیدار کی شکایت کی ہے جس نے اپنے بیٹے کی شادی پوری طرح مذہبی رسوم کے مطابق منعقد کی۔ واضح رہے کہ اس عہدیدار کا بیٹا خود علاقے کا مسئول کومبر ہے۔ اخبار نے مزید لکھا ہے کہ ان صاحب کو مذہبی معاملات میں دلچسپی کی بنا پر کئی بار تنبیہ کی جا چکی ہے لیکن وہ پھر بھی باز نہیں آتے۔ اس علاقے میں دیگر "ناخوشگوار حرکات" کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے اخبار لکھتا ہے کہ وہاں موجود قدیم مساجد اور مقابر پر عبادات کی ادائیگی، خیرات و صدقات کی صورت میں غرباء کی مالی امداد جیسے "قبیح افعال" کا ارتکاب بھی عام جاری ہے۔ (واضح رہے کہ سرکاری طور پر روس میں کوئی فرد "غریب" نہیں، لہٰذا ایسی کوئی بھی حرکت سوویت سماجی نظام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث ہے جو خلاف قانون ہے۔)

"تاجکستان سوویت" نے اگست ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں ایک ایسے مسلمان جوڑے کا تذکرہ کیا ہے جس نے اپنے نومولود بچے کی پیدائش پر تقریب ختنہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں دونوں میاں بیوی کو ان کی ملازمتوں سے نکال دیا گیا۔ (واضح رہے کہ سوویت یونین میں ہر ادارہ حکومتی کنٹرول میں ہونے کے سبب ایک بار ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد کسی دوسری جگہ ملازم ہونے کا تصور بھی امر محال ہے) اخبار مزید لکھتا ہے کہ اس قسم کی مذہبی رسومات علاقے میں وسیع پیمانے پر ادا کی جاتی ہیں جن کو پتہ لگانا اور انسداد کرنا دشوار ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں ازبکستان کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے "عوام میں نظریاتی تعلیم" کے عنوان سے ایک خصوصی سیمینار کروایا جس کی تفصیلات "پراودا وستوکا" نے اکتوبر میں شائع کی ہیں پارٹی کے فرسٹ سیکرٹری عثمان خوجائیف نے صدارتی کلمات میں اس بات کا اعتراف کیا۔ "گزشتہ چند برسوں سے نظریاتی تعلیم کی قدر اور اثرات کمزور ہوئے ہیں جبکہ بعض مقامات پر تو بالکل ختم ہو گئے ہیں۔"

عثمان خوجائیف نے مزید کہا کہ "وہ اکثر علاقوں میں عورتوں کو علمی ترقی کے کاموں میں شریک نہیں

کیا جاتا ہے۔ مذہبی شادیاں اور ان میں حق مہر کی ادائیگی بھی کھلے عام کی جاتی ہے۔ غیر رجسٹرڈ اور "مفت خورے ملا" اپنی مذہبی سرگرمیاں وسیع کرتے چلے جا رہے ہیں۔ مذہبی کیسٹ اور ویڈیو فلمیں پھیلائی جا رہی ہیں۔ بعض مقامات پر خفیہ مساجد کی تعمیر میں سرکاری روپیہ اور تعمیراتی مواد استعمال کیا گیا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کے ممبران مذہبی سرگرمیوں میں روز افزوں دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پارٹی کے عہدیداران اور سرکاری عمال جان بوجھ کر ان سرگرمیوں سے اغماض برت رہے ہیں:

اجلاس کے اختتام پر پرجوش طور پر اعلانیہ جاری کیا گیا اس میں ماضی کی طرف لوٹنے کی خواہش اور کوششوں پر نکتہ چینی اور مذہبی عناصر کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا:

جمہوریہ تاجکستان کی اکیڈمی آف سائنسز میں شعبہ فلسفہ کے سینئر رکن نو الشوف نے بی ٹیرز جات"

افغان مجاہدین کی جرأت و عزیمت نے
وسط ایشیا میں مسلمانوں کو ولولۂ تازہ عطا کیا ہے

کی اکتوبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں "مذہب کے خلاف وجوہات" کے موضوع پر ایک فکر انگیز مضمون تحریر کیا ہے جس کا عنوان ہی چونکا دینے والا ہے "مسلط مت کیجئے، ترغیب دلائیے"۔

اس مضمون میں دہریت کے پروپیگنڈے کی راہ میں حائل دشواریوں اور ان کے حل کی ممکنہ منصوبہ بندی کا بالکل نئے انداز میں احاطہ کیا گیا ہے۔ مضمون کی تفصیلات کے مطابق "تاجکستان کے عوام افراد کی زندگیوں میں جڑوں تک سرایت کئے ہوئے اسلام نے دو رنگ ظاہر کئے ہیں۔ (الف) ایک طرف اسلام نے مذہبی اقدار و رسم و رواج کو مکمل طور پر اپنا لیا ہے (ب) تو دوسری طرف بعض مثبت قومی روایات کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے"

رغاب توپ (تاجکستان) کے علاقے میں کئے گئے حالیہ سروے کے مطابق عام شہری جن میں نوجوان بھی شامل ہیں، قومی اور مذہبی اقدار میں کوئی تفریق نہیں کر پاتے (قومیت سے مراد تاجک قومیت ہے) اور اس بارے میں بالکل گفتگو ہی کرتے کہ مذہبی حقوق ان کی قومی روایات اور اقدار کا ایک حصہ ہیں۔

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ سماجی اقدار میں اسلامی صورت (طریقوں) کا نفوذ اب بھی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کی فہم پذیری کی صلاحیت کے حوالے سے مضمون نگار دہریت کے پروپیگنڈہ سازوں کو مشورہ دیتا ہے کہ قومی اقدار

کے متعلق گفتگو کے دوران غیر معمولی طور پر محتاط رہے، مذہبی محسوسات کا مذاق اڑانے اور جنگ کرنے سے حتی الامکان پرہیز کیجئے کیونکہ ان میں قومی اور مذہبی روایات باہم خلط ملط ہیں۔ ہمارا تجربہ ہے کہ قومی اور مذہبی روایت کو یکجا کرنے والی قوموں کے افراد خواہ مذہبی ہوں یا دہریے، اپنے روایتی قومی کلچر کے بارے میں نہایت حساس ہوتے ہیں اور دوسرے الفاظ میں ہر دو قسم کے افراد اسلام کے خلاف کوئی بات پسند نہیں کرتے ۔"

نو الشوف نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ایک پانچ نکاتی منصوبہ پیش کیا ہے، جو مکمل طور پر مقامی روایات کے پس منظر میں ہے۔

۱۔ جماعت موئے سفیداں یعنی سفید ریش

حضرات کی کونسل اس کونسل میں وہ بزرگ اور "علماء" شامل کئے جائیں جو مسلمانوں کے مذہبی پیشوا کے طور پر معروف ہوں۔ یقینی طور پر اس میں "رجسٹرڈ ملا" شامل نہیں ہوں گے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی کونسل کی تشکیل کے سلسلے میں مرکزی کمیٹی کے اجلاس نے خصوصی ہدایات جاری کی ہیں۔ یہ کونسل خصوصی طور پر ایسے متعصب مذہبی دیوانوں کے خلاف جارحانہ نقطہ نظر کی ترویج و اشاعت پر توجہ دے گی جو مذہبی روایات کے حوالے سے روسی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسی غیر مذہبی روایات کو فروغ دے گی جو روسی قوانین کے مطابق ہوں۔ خوجینٹ ضلع کے علاقے تولوز کی "کونسل" اسی طرح کی ایک مثالی کونسل ہے۔

۲۔ دیہاتی اسمبلیوں کی تشکیل ان اسمبلیوں کا کام "غیر سماجی" نوعیت کی سرگرمیوں" اور "جنونی بنیاد پرستوں" کے خلاف رائے عامہ کو منظم اور متحرک کرنا ہے، لیکن خیال رہے کہ ان اسمبلیوں پر پارٹی اور دیگر سوویت تنظیموں کی مضبوط گرفت ہے۔

۳۔ چائے خانے کچھ علاقوں میں جہاں سیاسی سرگرمیوں سے متعلق ادارے کمزور ہیں، چائے خانہ وہ واحد جگہ ہے جہاں دیہاتی باشندے باہم جمع ہو کر گپ شپ کرتے ہیں لیکن تمام چائے خانوں پر پارٹی اور اس کی ذیلی تنظیموں کا کنٹرول نہیں ہے۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر وقت مذہبی پیشوا اور علماء ان جگہوں کو اجتماعی رابطے اور عبادات کے لئے

استعمال کرتے ہیں۔ پارٹی سے متعلق کچھ دینی شخصیتوں نے اس تشویشناک صورت حال سے صرف نظر کرتے ہوئے بڑی بے ہنگامی کے سبب ان چاہے خاندانوں کو بند کر دینے پر اکتفا کر دیا ہے۔ اس قسم کے اقدامات اثر کا باعث ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جب ہم نے نور القلوب کے علاقہ کا دورہ کیا تو کوئی ایسی عوامی جگہ نہیں پائی جہاں عوام سے مخاطب ہو کر مذہب کے خلاف کچھ کہہ سکتا لہٰذا آئندہ ایسے اقدام سے پرہیز کیا جائے اور چاہنے خاندانوں کو نظریاتی مہم کے لئے استعمال کیا جائے۔

۴۔ خاندان یا قبیلہ کے سربراہ سے روابط

نوجوان نسل میں اسلامی تعلیمات سے رغبت کا ابتدائی محور خاندان ہی ہوتا ہے اور خاندان میں فیصلہ کن و غالب حیثیت بزرگوں کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا پروپیگنڈہ سازوں کو چاہئے کہ وہ خاندان یا قبیلے کے سربراہ سے قریبی روابط قائم کر کے ان کے اختیارات کیمونزم کے حق میں استعمال کروائیں۔

۵۔ خواتین اور مذہب

گھریلو خواتین پر فوراً کام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان کی اکثریت مذہب سے متاثر ہے۔ اس حوالے سے "ارکانِ انقلاب" سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

یہ انقلاب پہلی مرتبہ ۱۹۲۰ – ۱۹۸۰ء میں تاجکستان میں متعارف کروایا گیا۔ اس کے تحت ہر ضلع کو دس دس مکانات کے گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر گروپ میں دہریت کے پرچارک کیلئے مستقل ٹیم کو چار افراد پر مشتمل کیا گیا ہے۔ پارٹی کی جانب سے تعینات کئے گئے ڈاکٹر، اساتذہ اور ماہرین زراعت روزانہ دورہ کرتے ہیں۔ (۱)

نور القلوب کی تجاویز اور منصوبہ بندی وسط ایشیائی مسلم ریاستوں میں اسلام کے خلاف نئی مہم کی وضاحت کرتی ہیں۔ تلخ بات یہ ہے کہ سماجی و معاشرتی اقدار کے استحکام کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے ہم آہنگ حکمت عملی کی تشکیل پسند کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ حکومت میں دہریت کے پروپیگنڈے کی بنیاد سائنسی الحاد پر رکھی گئی تھی اور تمام پارٹی سیکریٹریوں نے اسے اپنایا تھا۔ مذکورہ بالا تجاویز اور منصوبہ بندی سائنسی الحاد کی ناکامی کے بعد روبہ عمل لائی جا رہی ہیں۔ یہ کمیونزم کے پروپیگنڈہ سازوں کی ایسی ذہنی تبدیلی سے عبارت ہے۔

اتمام

امیر جماعت اسلامی کے ساتھ چند لمحے

۱۶ جولائی ۱۹۹۵ء، ساڑھے گیارہ بجے دن میں مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی امیر جماعت اسلامی ہند جامعۃ الفلاح تشریف لائے۔ مولانا محمد حسیب صاحب اصلاحی صدر جامعہ نے اساتذہ کے ہمراہ ان کا استقبال کیا۔ مدرسے نے ان کے اعزاز میں ایک پارٹی دی۔ تمام اساتذہ اور کارکنان جامعہ اس میں شریک رہے۔ چائے کے بعد شرکاء نے خواہش ظاہر کی کہ مولانا کچھ ارشاد فرمائیں۔ پھر سوال و جواب کے انداز میں گفتگو شروع ہوئی۔ مولانا نے ملک کے حالات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: فسادات کبھی اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اور کبھی خدا کی طرف سے آزمائش۔ اگر ان کے نتیجہ میں ہمارے اندر رجوع الی اللہ، توبہ و استغفار اور انابت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو یہ ایک خوش آئند پہلو ہے۔ لیکن ادھر حالیہ فسادات میں یہ چیز مفقود ہے۔ کلکتہ میں مجلس مشاورت کے ایک وفد کے ساتھ مولانا شریک تھے۔ وہاں کی مثال دیتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ رمضان کے مہینے میں جبکہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس کا احترام کرتے ہیں، ایک جگہ جلے ہوئے مکان میں اس کے مکین سگریٹ پیتے اور تاش میں مصروف نظر آئے۔ ادھر حالیہ فسادات میں ایک چیز اور بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے اور وہ ہے نوجوانوں کا اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا رجحان۔ چنانچہ بعض اخبارات میں بعض ہٹ لسٹ بھی شائع ہوئی ہیں۔ مولانا نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ یہ مسلم نوجوانوں کا اقدام ہوگا کیونکہ مسلمانوں کا ضمیر ابھی اتنا نہیں گرا ہے کہ وہ بے گناہوں کو قتل کرتے پھریں۔ یہ لازماً ان کو بدنام کرنے کی کوئی سازش ہے اور اس کے پیچھے ممکن ہے کہ دوسروں کا ہاتھ ہو۔ چنانچہ بعض اخبارات کی اطلاع کے مطابق ہٹ لسٹ اور خطوط میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اگرچہ ہے تو اردو ہی مگر کسی مسلمان کی زبان معلوم نہیں ہوتی۔

مسلمان کوئی قوم اور فرقہ نہیں ہیں بلکہ وہ امت عدل اور امت وسط ہیں۔ ان کو تمام تعصبات سے اوپر اٹھ کر اپنا داعیانہ کردار ادا کرنا چاہئے اور تمام باشندگان ملک سے داعیانہ اور برادرانہ تعلقات قائم کرنا چاہئے۔

بابری مسجد کے تعلق سے ایک سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ جماعت کی پالیسی کی طرف میں نے اپنے ایک مضمون "ملک و ملت کے چند تقاضے" جو رسالہ میں شائع ہوا ہے، اشارہ کیا ہے۔ یہاں میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس کے اظہار میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے کہ آئندہ کسی مرحلہ پر بھی اگر مستند شواہد و دلائل سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ بابری مسجد خدانخواستہ کوئی مندر توڑ کر بنائی گئی ہے تو مسلمان بخوشی اسے اس جگہ کے حقیقی مالکوں کے حوالے کر دینے میں ایک لمحے کی بھی پس و پیش سے کام نہیں لیں گے لیکن اگر ایسا نہیں کیا جا سکا تو پھر کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو یا ان کی کوئی بھی چھوٹی بڑی جماعت یہ حق نہیں رکھتی کہ وہ اپنے طور پر مسجد یا اس کے کسی جزء سے بخوشی دست بردار ہو کر اسے مندر میں تبدیل کرنے یا اسے قومی یادگار بنانے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے اور اگر جبر و دباؤ سے کام لیتے ہوئے ایسا کیا جائے گا تو وہ اپنی حد استطاعت تک بہرحال اس کی مزاحمت کریں گے لیکن خدانخواستہ معاملہ اس سے آگے کا ہو تو وہ مجبوراً اس پر صبر بھی کر سکتے ہیں لیکن اس صورت میں دنیا دیکھے گی کہ ہندوستان کے سیکولرزم اور جمہوریت وغیرہ بلند بانگ دعووں کی عملی تعبیر کیا ہے۔ ہمارے ارباب اختیار پر مسئلہ کا یہ پہلو بھی سامنے رہے تو بہتر ہوگا۔" [illegible]

مولانا نے مزاحمت کی وضاحت "ہر طرح کی" ... باشندگان ملک میں ایسے لوگ بہرحال موجود ہیں جو انصاف کی حمایت کے وقت کھڑے ہوں اور اٹھاتے ہیں وہ ہمارے موقف کے حامی ہیں۔ ہماری کوششوں سے ان کی تعداد بڑھ سکتی ہے۔ انکے خاص اہتمام کے ساتھ پوری جدوجہد سے ایک فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ مایوس ہونے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اور تشدد کا راستہ اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا طریقہ کسی کیلئے مفید نہیں ہے چہ جائیکہ ہمارے لئے جو اقلیت میں ہیں۔

قرآن کی بعض آیتوں کو نکالنے کیلئے چلائے مقدمہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا "یہ مسلمانوں کو اشتعال دلانے کی ایک کوشش ہے۔ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لی ہے وہ اس کی حفاظت کا انتظام کرے گا۔

جماعت اسلامی کی پالیسی و پروگرام کی بنیادی دفعہ غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ ہے اور اسلام اور تحریک سے متعلق ان کی غلط فہمیاں دور کرنا ہے۔ جماعت ۴۲ سال سے نہایت منظم انداز میں کام کر رہی ہے۔ اس میدان میں پیش رفت سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔ "پیش رفت اور کامیابی سے قطع نظر ہمیں اپنا یہ فریضہ انجام دیتے رہنا چاہئے۔ حضرت نوحؑ نے ایک طویل مدت تک دعوت و تبلیغ کا کام کیا۔ باوجود اس کے کہ اس میدان میں جس انداز کی کوششیں ہونی چاہئے تھیں نہیں ہو سکیں لیکن پھر بھی نتائج بہتر سامنے آرہے ہیں اور اگر ہم اس مدت میں اپنی کوششوں کو تیز کر دیں تو اور بہتر نتائج کی امید کی

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

تعارف وتبصرہ — ادارہ

"خاتونِ اسلام"

مصنف: مولانا وحید الدین خاں، صفحات ۱۹۲، قیمت ۳۰ روپے، سائز $\frac{18\times22}{8}$

پتہ: THE ISLAMIC CENTRE, C-29 NIZAMUDDIN WEST, NEW DELHI-110013, INDIA.

مولانا وحید الدین خاں ایک معروف اسکالر اور عالم دین ہیں۔ لکھنے کا ان کا ایک خاص انداز ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے، سادہ اور آسان زبان، سلیس اور عام فہم گفتگو، واقعات، حالات اور حادثات سے نتائج اخذ کرنا اور اس کو عوام کے سامنے پیش کرنا مولانا وحید الدین خاں کا امتیاز ہے۔ وہ اس کو سائنٹفک اسلوب کہتے ہیں۔ آپ ان کے اخذ کردہ نتائج سے اختلاف کر سکتے ہیں لیکن ان کی اس صلاحیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ مولانا کی ادارت میں ایک رسالہ "الرسالہ" کے نام سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے اور انہیں خوبیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

"خاتون اسلام" مولانا وحید الدین خاں کی تازہ تصنیف ہے۔ اس میں اسلامی شریعت میں عورت کے مقام پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور عورت سے متعلق اسلام اور جدید تہذیب کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ پوری کتاب تین ابواب میں منقسم ہے اور ہر باب کے چند ذیلی عنوانات بھی ہیں۔ باب اول میں دیباچہ کے بعد، ایک جائزہ، فطرت کا نظام، عورت معاشرہ میں، مغربی عورت، فطرت کا فیصلہ۔ دوسرا باب، قرآن و حدیث، مومنہ کی صفات، عورت کا احترام، عورت کا درجہ، خواتین اسلام۔ تیسرا باب، نکاح و طلاق، جہیز کے بارے میں، مہر کا مسئلہ، تجربہ کی زبان، ذیلی عنوانات ہیں۔ مصنف نے مغربی تہذیب کا LATEST مطالعہ پیش کیا ہے اور بہت ہی قریب میں پیش آنے والے واقعات، حالات و حادثات کی شکل میں پیش کی ہے۔ کتاب قابل قدر اور مصنف لائق تحسین ہے۔ کتاب پوری تو ہر ایک کے مطالعہ کے لائق ہے لیکن عربی مدارس کے فارغین اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے زیادہ مفید ہے۔ کتابت اور طباعت بہت

معیار گرتا ہے۔ دو قیمت بھی مناسب ہے۔ البتہ صفحہ ۶۷ پر یہ عبارت غلط شائع ہوئی ہے "اس عرصے کے لوگ پچھ کرنے کی راہ ڈھونڈنے لگتی ہیں"۔

ماہنامہ فنکار

گوشہ ماہر القادری، جلد ۳، شمارہ ۶۰-۶۱، نومبر دسمبر ۱۹۸۷ء، قیمت ۱۰ روپے، سالانہ ۱۴۰ روپے، سائز ۲۰×۳۰/۸، چیف ایڈیٹر ڈاکٹر احمد سجاد، ایڈیٹر مسعود جاوید ہاشمی، پتہ: دفتر فنکار، لطیف آباد ۔ حیدرآباد ۲۔

علامہ اقبالؒ اور مولانا ماہر القادریؒ دونوں دو شخصیات ہیں۔ مقصد اور نصب العین میں ہم آہنگ ہونے کے باوجود اقبال اور ماہر کی سمتیں جدا جدا ہیں۔ ماہر کا اقبال سے موازنہ کرنا کسی طرح بھی دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ شاعر ایک سے ایک بڑھ کر پیدا ہوں گے مگر اقبال جیسے شاعر کم پیدا ہوں گے۔ فلسفے کے خشک مضمون کو شاعری کی شیریں زبان میں بیان کرنا علامہ اقبال کا کمال ہے مگر ماہرؒ بھی اپنی مثال آپ تھے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر، عظیم نقاد، بہترین صحافی اور اسلام کے ایک سپاہی، مجاہد اور داعی تھے۔ ماہر القادری کا مطالعہ ان کے خاندانی، معاشرتی، ملی اور ملکی حالات کے پس منظر میں کیا جانا چاہئے۔ جو لوگ ان کے خاندانی مذہب پسندی، شرافت اور ان کے ذاتی رجحانات اور میلانات نیز تہذیبی زوال اور معاشرتی و معاشی زبوں حالی کو نظر انداز کر کے ان کا مطالعہ کریں گے وہ یقیناً ان کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ فنکار کے اس خاص نمبر میں دو طرح کے لکھنے والے ہیں، ایک ہندوستانی ہیں اور دوسرے پاکستانی۔ ہندوستانی لکھنے والوں نے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صرف ان کی شاعری کی کتابیں پڑھ کر ان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی جو ایک بہترین نقاد ہیں لکھتے ہیں:

"ان کے اشعار کی رومانیت اختر شیرانی اور جوش ملیح آبادی کی یاد دلاتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ترقی پسند رومانی شعراء کی صف میں ایک ماہر القادری بھی تھے، اس لئے کہ ان کی شاعری کا رومانی پہلو ان شعراء کی تخلیقات سے بالکل ہم آہنگ ہے اور ماہر کے اشعار کو ان شعراء کے اشعار سے ممتاز کرنے والی کوئی چیز نمایاں نہیں ہے۔

اس رومان پسندی کے دو اور پہلو، عشق و محبت کے علاوہ ماہر کی شاعری میں بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح ترقی پسند شعراء کی تخلیقات میں۔ یہ ہیں ایک غریبوں اور مزدوروں کی ہمدردی، دوسرے مناظر فطرت کی نقاشی۔" صفحہ ۹۳

ڈاکٹر عبدالمغنی نے "کہا جا سکتا ہے" سے بات شروع کر کے اگرچہ اپنا دعویٰ کمزور کر دیا ہے لیکن انہوں نے اس بات کی تردید نہیں کی ہے۔ کسی شاعر کے یہاں عشق و محبت کے جذبات کا اظہار اور مزدور و ملت کی ہمدردی اور مظاہر فطرت کی نقاشی کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ترقی پسند شاعر ہے جبکہ ان کی پوری عملی زندگی اس کے برعکس شہادت دیتی ہے۔ ماہر القادری نے ایک زمانے تک ترقی پسند شعراء اور ترقی پسند ادبی تحریک کو پسند نہیں کیا۔ سید سعد گیلانی نے "القلم" میں "وہ ترقی پسند ادبی تحریک کے شدید مخالف تھے اور کہا کرتے تھے کہ اس تحریک نے اردو زبان و ادب کو تباہ اور ملک کی اسلامی روایت کو بری طرح مجروح کیا ہے۔ چنانچہ وہ اسے ادبی تحریک تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ سیاسی اشتراکی تحریک کا ادبی بہروپ تھا..." صفحہ ۱۰۱

ماہر کی شاعری میں عشق و محبت کی جو تصویریں ہیں وہ اس دور کی شاعری کے مزاج کے مطابق ہیں۔ حیدرآباد، لکھنؤ، دلی جو زوال پذیر امراء، سلاطین اور نوابوں کے مسکن تھے، تمام زمانے میں اردو شاعری اور ادب کے بھی مسکن تھے۔ ان کا عمومی مزاج تھا۔ شعر، عشق و محبت، لب و رخسار اور جام و مینا کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچتے تھے۔ تاہم ماہر القادری کا مضبوط عقیدہ، رسولؐ سے بے پناہ محبت اور اخلاقی حس نے ان کو اس میدان میں بہت زیادہ آگے نہیں بڑھنے دیا۔ سید اسعد گیلانی لکھتے ہیں "ماہر القادری مذہبی اخلاق و روایات کے دائرے میں یکسوئی سے چلتے گئے تھے۔ ان کے ادبی اور شعری ذخیرہ کا بہت بڑا حصہ اسلام کی خدمت اور پرورش اخلاق کے ضمن میں آتا ہے خصوصاً تقسیم ملک کے بعد تو ان کا قلم ایک روز کے لئے بھی کسی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوا۔" صفحہ ۱۰۱

مسعود جاوید ہاشمی نے لکھا "ماہر پاکستان کے نظریاتی، اسلامی، ملی محاذ کے سپاہی تھے۔ اردو ادب کو جب اسے بے دینی کی راہ سے ہٹا کر وطنیت اور الحاد کی لکنت آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی اور ہماری صحت مند روایت کو مذاق کا نشانہ بنایا جانے لگا تو ماہر نے اپنی نظم و نثر سے ان ناپسندیدہ کوششوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔" صفحہ ۵۷

محمد ثروت [illegible] نے لکھا "وہ [illegible]" حقیقت سے بہت دور کی بات ہے۔ ماہر القادری نے عشقیہ شاعری ضرور کی مگر جیسا کہ یہ دنیا کی [illegible] اور اخلاقی حس سے میل نہیں کھاتی تھی۔ ابوالخیر [illegible] نے بھی لکھا ہے "کراچی منتقل ہونے سے قبل عشقیہ شاعری بھی کی تھی لیکن انھیں یہ ذوق [illegible]۔ ماہر قلم اور ضمیر کے رشتے کو [illegible] مقدس خیال کرتے تھے اور کبھی دنیا اس رشتے کے [illegible] دیتے"

نگار، ترقی ہے، صفحہ ۱۰۵

چند مضامین کو چھوڑ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بقیہ مضامین ماہر کا گہرا مطالعہ کئے بغیر اور بہت عجلت میں لکھے گئے ہیں اور مدیر نے مجبوراً مضامین کی کمی کی وجہ سے ان کو شائع کر دیا ہے۔ ویسے ہندوستان میں ماہر القادری کا مطالعہ بہت کم کیا گیا ہے۔ نگار نے ایک اچھی ابتدا کی ہے لیکن کیا ہی بہتر ہوتا اگر دو چار مہینہ کا وقفہ دے کر مضامین تیار کرائے جاتے اور صرف منتخب مضامین ہی شائع کئے جاتے۔ ویسے نگار کی یہ کوشش کچھ کم لائق ستائش نہیں ہے۔ اس نے دریا میں پتھر پھینک دیا ہے، اب لہریں یقیناً اٹھیں گی۔ اس پرچہ کا مطالعہ لازماً کیا جانا چاہئے۔ اس سے بعد میں ماہر القادری کو سمجھنے کا آغاز ہوتا ہے۔ کتابت اور طباعت کا معیار بہت گر گیا ہے۔ کئی کئی سطریں غائب ہیں اور اکثر جگہوں پر مضمون پڑھا نہیں جاتا۔ طباعت و کتابت کی اس ترقی یافتہ دنیا میں ماہر القادری نمبر کا یہ حشر ہونا سخت ذوق کے لئے مذاق سے کم نہیں ہے۔ ادارہ ادب اسلامی کے ذمہ داروں کو اس پر غور کرنا چاہئے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس پرچہ کو حیدرآباد کے بجائے دلّی سے شائع کرنا چاہئے۔

"اسلام کی پیش قدمی"

جرمن نو مسلم پروفیسر ... لکھتے ہیں، گذشتہ پچاس برس میں عالمی آبادی ۱۰۷ فیصد بڑھی ہے۔ اسی عرصے میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی آبادی میں بالترتیب ۴۷ اور ۲۳۵ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ مسلم آبادی میں یہ اضافہ دیگر سب مذاہب سے بڑھ کر ہے۔ بدھوں، ہندوؤں اور شنتو پرستوں کی تعداد بالترتیب ۶۳ فیصد، ۱۱۷ فیصد اور ۵۲ فیصد بڑھی ہے جبکہ آرتھوڈکس عیسائیوں، کنفیوشس کے پیروکاروں اور یہودیوں کی آبادی گھٹی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کرۂ ارض پر مسلسل پیش رفت کر رہا ہے اور مسلمانوں کی ... ان کی شرح پیدائش سے کہیں زیادہ تبلیغ دین پر منحصر ہے۔ غیر مسلموں کی اسلام سے دلچسپی روز افزوں ہے اور شاید ہی کوئی مہینہ گذرتا ہو جب جرمن قرآن مجید کی پانچ چھ جلدیں خرید کر ... تقسیم نہ کرتے ہوں۔ ... اسلامی تحریک ... کے آخر تک وسطی یورپ پر چھا سکتی ہے اور مسلم رہنماؤں کے ذہنوں ... مغربی جرمنی مسلم بن جائیگا۔

اردو ڈائجسٹ بحوالہ عربیہ اکتوبر ۱۹۹۱

ادارہ

جامعہ کے لیل و نہار

جامعۃ الفلاح نے اپنے بہتر نظم و نسق اور عمدہ معیار تعلیم و تربیت کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ اس کا اندازہ ہندوستان کے مختلف مقامات سے داخلہ لینے والے طلبہ کی تعداد سے ہوتا ہے۔ اس وقت جامعہ میں کُل تین ہزار ۳۰۰۰ طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ طلبہ ۱۶۶۴ اور طالبات ۱۳۳۸ ہیں۔ ان طلبہ و طالبات کی تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے لئے ۶۲ معلمات اور ۵۶ اساتذہ کرام کی خدمات حاصل ہیں۔ نیز جامعہ کے مختلف شعبوں میں کوئی ۵۰ کارکنان خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جناب جنید احمد صاحب حج کے لئے روانہ

جامعہ کے شعبۂ مطبخ کے ذمہ دار جناب جنید احمد صاحب حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کی فلائٹ ۲۸ جولائی ۱۹۹۰ کو دلّی سے ہے۔ یکم جولائی ۱۹۹۰ کو موصوف کے اعزاز میں ایک پارٹی دی گئی اور تمام اساتذہ کرام نے نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ ان کو الوداع کہا۔ خدا آپ کو حج مبرور نصیب کرے اور بخیر و عافیت ہمارے درمیان واپس لائے۔ شعبۂ حفظ کے ایک استاذ قاری محمد قربان صاحب بھی اسی سال حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ جامعہ نے موصوف کے اعزاز میں ایک پارٹی دی جس میں تمام اساتذہ شریک رہے۔ نیک تمناؤں اور خیر و عافیت کی دعاؤں کے ساتھ موصوف کو الوداع کیا گیا۔

جامعہ میں بس کی آمد

جامعہ کے شعبۂ نسواں (کلیۃ البنات) میں زیر تعلیم قرب و جوار کی طالبات کو روزانہ آنے جانے میں موسم کے اعتبار سے مختلف دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ذمہ داران جامعہ مسلسل اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کی یہ دشواری دور کی جائے اور ان کی آمد و رفت کے لئے بس کا انتظام ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے ذمہ داران جامعہ کی یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور ایک بس کا انتظام ہو گیا۔ وہ بس جامعہ میں آگئی ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی چلائی

جائے گی۔ بس کا نمبر T.S.D 7803 ہے۔

کینٹین کا افتتاح

جامعہ میں زیر تعلیم طلبہ کو بازار کے خراب ماحول اور ہوٹلوں کی اخلاقی گندگیوں سے بچانے کے لیے بہت دنوں سے یہ سوچا جا رہا تھا کہ کوئی ایسا نظم ہو جائے جس سے ان کی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور وہ اخلاقی گندگیوں سے محفوظ بھی رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ انجمن طلبۂ قدیم نے یہ مشکل کام اپنے ذمہ لیا اور مدرسہ کے تعاون سے اس کو آگے بڑھایا اور اس طرح ایک کینٹین کا افتتاح ہوا جس سے طلبہ اور اساتذہ بھی استفادہ کر رہے ہیں اور یہ کام بحسن و خوبی انجام پا رہا ہے۔

جمعیۃ الطلبہ کی سرگرمیاں

جامعہ میں زیر تعلیم طلبہ نے اپنی جمعیۃ کے ذمہ داروں کے انتخاب کے بعد اپنی مختلف سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے اور تقریر و تحریر میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔ جمعرات کے روز بعد نماز ظہر اردو پروگرام منعقد ہوتے ہیں اور رات میں عربی اور انگریزی۔ طلبہ نے یہ بھی طے کیا ہے کہ تقریر و تحریر کے مقابلے ہر مہینہ اساتذہ کی نگرانی میں ہوا کریں گے۔ ایک مہینہ تقریر کا مقابلہ ہوگا اور دوسرے مہینہ تحریر کا۔ اس طرح طلبہ کی تخلیقی صلاحیتیں پروان چڑھ سکیں گی۔ خدا انھیں اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

جنرل مانیٹر

اسعد الحسن کرالہ، بداؤں کو سیشن کا جنرل مانیٹر منتخب کیا گیا ہے۔ (یہ نام گزشتہ شمارہ میں جمعیۃ کے ذمہ داروں کے کالم میں چھوٹ گیا تھا)

*

میں داعی اور معلم بننا چاہتا ہوں۔ دن کو سال کے اکثر ایام میں مصر کی نئی نسل کو تعلیم دونگا اور رات کو اور چھٹیوں کے ایام میں ان کے والدین کو دین کے مقصد سے آگاہ کرونگا۔ انھیں بتاؤنگا کہ سعادت کا سرچشمہ کہاں ہے اور زندگی کی مسرتیں کیسے دستیاب ہونگی۔ اس غرض کیلئے ہر وہ وسیلہ اختیار کرونگا جو میرے بس میں ہوگا، تقریر سے، گفتگو سے، تالیف و تصنیف سے، کوچہ گردی اور بادیہ پیمائی سے، الغرض ہر ممکن ہتھیار سے مدد لونگا۔

(حسن البنا شہید)

"تعلیم کے بعد آپ کیا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لیے کیا وسائل اختیار کریں گے؟" کا جواب۔

انشاء اللہ

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا چوتھا

دو سالہ اجلاس

۱۲، ۱۳، ۱۴ فروری ۱۹۸۶ء کو

مادر علمی جامعۃ الفلاح میں منعقد ہو رہا ہے

تمام فلاحی برادران سے شرکت کی پُرخلوص درخواست ہے۔

انصار احمد فلاحی